بسم الله الرحمن الرحيم

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ
لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ
عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس جب اللہ کسی کو ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے جیسے کہ وہ زبردستی آسمان پر چڑھ رہا ہے (اس کی طرف اونچا ہو رہا ہے) اسی طرح اللہ ان لوگوں پر کثافت مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ یہ تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے آیتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵،۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی وثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان
شمارہ: ۲۶۰- جمادی الثانی-شعبان المعظم ۱۴۴۴

خصوصی شمارہ

اسلام اور خواتین

ایران کلچر ہاؤس، ۱۸- تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون: ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷
ichdelhi@gmail.com
https://en.icro.ir/New-Delhi
www.ichdpublication.in
www.ichdlib.in

مشاورین علمی

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین، پروفیسر اختر الواسع

پروفیسر سید علی محمد نقوی، پروفیسر سید طیب رضا نقوی

ادارتی بورڈ

پروفیسر سید اختر مہدی رضوی، حسنعلی ذکریائی، مہدی باقر خان

چیف ایڈیٹر	:	ڈاکٹر فرید الدین فرید عصر
ایڈیٹر	:	پروفیسر سیدہ بلقیس فاطمہ حسینی
جوائنٹ ایڈیٹر	:	مولانا سید غلام حسین رضوی-ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری
ناظر اشاعت	:	حارث منصور
پریس	:	الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی۔

ISSN: ۲۳۴۹ – ۰۹۵۰

صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔

مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com ارسال فرمائیں۔

مقالہ، ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔

مقالہ کی اشاعت کے لئے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

مقالہ نگار افراد کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ہماری مزید نشریات کے لئے مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر رجوع فرمائیں

www.ichdpublication.in

فہرست مضامین

اداریہ		۱
قرآن کریم کی روشنی میں عورت کی حقیقت تخلیق	مولانا سید جمال عباس سرسوی	۳
اسلام میں عورت ایک باعزت و باوقعت دولت	مولانا سید محمد جابر جوراسی	۱۶
اسلام اور عورت کا مرتبہ	مولانا سید اطہر عباس رضوی	۲۹
اسلام میں عورت کی منزلت اور اسلامی گھرانہ	مولانا سید مشاہد عالم رضوی	۳۹
گھر میں خواتین کے حقوق کے بنیادی اصول	مؤلف: حجۃالاسلام سید اسحاق حسینی کوہساری مترجم: مولانا سید محمد باقر	۵۶
تعمیر خانوادہ میں عورت کا کردار	مولانا ناظم علی واعظ خیر آبادی	۷۰
اسلامی ثقافت میں عائلی نظام کے استحکام کے اسباب و عوامل	مؤلف: صالح حسن زادہ مترجم: فیضان جعفر علی	۷۸
امام خمینیؒ کی نگاہ میں خواتین کا رتبہ و مقام	مؤلف: محترمہ میناآونج مترجم: مولانا سید محمد جعفر زیدی	۱۰۴

امام خمینی کی نگاہ میں خواتین کی سماجی امور میں شرکت اور شوہر کے حقوق کی رعایت	مؤلف: عبد العلی توجہی-زہرا حق محمدی مترجم: مولانا سید محمد جون عابدی	۱۱۳
عورت کے اسلامی حقوق سے متعلق کچھ اعتراضات اور ان کے جوابات	مولانا احمد رضا رضوی زرارہ	۱۳۳

حصہ نظم

لحظہ لحظہ انتظار علیؑ	پروفیسر سیدہ بلقیس فاطمہ حسینی	۱۵۰
فاطمہ قلب پیمبرؐ	فرحت کاظمی	۱۵۱
در مدح امام حسنؑ	سید نقی عباس	۱۵۲
سلام بر امامؑ تشنہ کام	احمد شہریار	۱۵۴
فرات عشق	مہدی باقر خان معراج	۱۵۵
حضرت حسینؑ	ابن تاج	۱۵۷
سلام امام حسینؑ	سید ذوالفقار باقر	۱۵۸
حجاب	مولانا محمد رضا خان	۱۶۰

ادا ریہ

خواتین ہمیشہ سے اہم موضوع گفتگو رہی ہیں۔ نسل اور قومیت کی طرح خواتین کی جنس اور کردار کے بارے میں غلط فہمیوں نے بھی انسانی تاریخ میں بہت سے بحرانوں اور چیلنجوں کو جنم دیا ہے۔ عورتیں خداوند کریم کی بدیع اور حکیمانہ تخلیق کی بنیاد پر اور انسانی تاریخ میں اپنے غیر معمولی اور اہم کردار کی بنا پر مردوں سے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی متناسب مخلوق ہیں جنہیں بعض اوقات کچھ لوگوں نے مافوق الفطرت سمجھ کر معبودیت کے درجے پر فائز کیا اور کبھی انھیں انسانی حیثیت سے بھی پست گردان کے ایک ایسی چھوٹی اور معمولی شی کے طور پر پیش کیا گیا جو محض مردوں کی خواہشوں کی تسکین کا ذریعہ ہے، مجموعی طور پر خواتین کا موضوع ہمیشہ نظریاتی افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔

مختلف مذاہب اور ثقافتوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ خواتین اور ان کا مقام ہمیشہ سے موضوع بحث رہا ہے۔ اسلام، ایک جامع دین کے طور پر، عورتوں اور مردوں کے حقوق کو برابر اور خاندان اور معاشرے کی تبدیلی اور حفاظت کا سب سے اہم عنصر سمجھتا ہے، اسی لئے صدر اسلام میں ہمارے دین کا سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ جاہل عرب و عجم کے نقطہ نظر کی اصلاح ہو جو کہ عورتوں اور لڑکیوں کو باعثِ شرم سمجھ کر انھیں زندہ درگور کر دے رہے تھے۔ اسلام نے عورتوں کے مقام اور کردار کو اس طرح پیش کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ (س) کے ہاتھ چومتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے اور انہیں ام ابیہا کہتے تھے۔

اسلامی مکتب فکر میں عورت کے کردار کی تشریح، مقصد تخلیق اور بندگی کی بنیاد پر کی گئی ہے چنانچہ اس کی جسمانی اور ذہنی حالتوں اور اس کے فطری تقاضوں کے مطابق اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ آج کل اسلام میں خواتین کے مقام و عظمت کے بارے میں بحث اور اختلاف ایک اہم موضوع ہے اور

بعض اوقات خواتین کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر سے متعلق غلط فہمیاں اسلام پر حملہ کرنے کا ایک حربہ بن جاتی ہیں، راہ اسلام کے اس خصوصی شمارے کا مقصد اس کی وضاحت کرنا ہے۔

فصلنامہ راہ اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اسلامی معارف و دینی تعلیمات کو بہتر سے بہتر انداز میں قارئین کی خدمت میں پیش کرے تاکہ اسلامی تعلیمات کے سایہ میں ہم سب مل کر ایک باوقار زندگی اور اچھے معاشرہ کی تعمیر کر سکیں۔ امید ہے کہ یہ فصلنامہ اس راہ میں ایک مثبت اور تعمیری قدم ہو گا۔

ڈاکٹر فریدالدین فرید عصر
(چیف ایڈیٹر)

قرآن کریم کی روشنی میں عورت کی حقیقت تخلیق

مولاناسید جمال عباس سرسوی

عربی زبان میں عورت کو "اِمرَاۃ" کہا جاتاہے ۔ اس لفظ سے اس کی جمع نہیں آتی بلکہ جمع کے لئے "نساء"، "نِسوَۃ"اور"نِسوان" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں[۱]۔ قرآن کریم میں "اِمرَاۃ" ۲۴ مرتبہ، "اِمرَاتان" دو بار، "نساء" ۵۷ بار اور "نِسوَۃ" دو مرتبہ آیا ہے۔ الفاظ سے قطع نظر سورہ بقرہ، سورہ نساء، سورہ نور، سورہ احزاب، سورہ ممتحنہ، سورہ طلاق اور سورہ تحریم وغیرہ پورے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر عورت کے موضوع پر گفتگو ہے اور عورتوں سے مربوط احکام بیان ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید کے چوتھے سورہ کا نام ہی "سورہ نساء" ہے۔

ذیل میں قرآن عظیم کی بعض آیات کریمہ کی روشنی میں، عورت کی عظمت اور حیثیت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا مقصود ہے:

عورت کی خلقت کا طریقہ

پہلی عورت کے عنوان سے جناب حوّاؑ بھی، پہلے مرد جناب آدمؑ کی طرح مٹی سے پیدا ہوئی ہیں یا آپ کو حضرت آدمؑ سے خلق کیا گیا ہے؟ اس سلسلہ میں علمائے اسلام کے یہاں اختلاف نظر پایا جاتا ہے اور مفسرین بھی مختلف نظریات کے حامل ہیں، روایتوں میں بھی دونوں ہی موجود ہیں[۲]۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم کی چند آیتیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ خلیل بن احمد فراہیدی، کتاب العین، جلد۸، ص۳۰۳؛ سید علی اکبر قرشی، قاموس قرآن، جلد۷، ص۵۹

۲۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج۴، ص۱۵۰؛ شیخ طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج۳، ص۹۹؛ ابوالفتوح رازی، روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن، ج۵، ص۲۳۴

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُم مِن نَفسٍ واحِدَةٍ وخَلَقَ مِنها زَوجَها وبَثَّ مِنهُما رِجالاً كَثيرًا ونِساءً۔ ترجمہ: انسانو! اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اس کا جوڑا بھی اسی کی جنس سے پیدا کیا ہے اور پھر دونوں سے بکثرت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے ہیں۔[۱]

❖

هُوَ الَّذِى خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ واحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْها زَوْجَها۔ ترجمہ: وہی خدا ہے جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا ہے۔[۲]

❖

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ ترجمہ: اس نے تم سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اور پھر اسی سے اس کا جوڑا قرار دیا ہے۔[۳]

ان آیتوں کے مطالعہ سے اجمالی طور پر یہ اشارہ تو ضرور ملتا ہے کہ جناب حوّاؑ کو جناب آدمؑ سے خلق کیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ کو بھی جناب آدمؑ کی طرح، باقی رہ گئی اضافی مٹی سے خلق کیا گیا ہے یا جناب آدمؑ کی بائیں پسلی سے؟

بعض روایتوں میں جناب آدمؑ کی بائیں پسلی سے جناب حوّاؑ کی خلقت کا ذکر ہے جیسا کہ شیخ صدوق نے ایک حدیث کے ضمن میں نقل کیا ہے:

...لِأَنَّ حَوَّاءَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعِ آدَمَ(ع) الْقُصْوَى الْيُسْرَى فَنَقَصَ مِنْ أَضْلَاعِهِ ضِلْعٌ وَاحِدٌ۔[۴]

اور ایک دوسری حدیث کے ضمن میں یوں نقل کیا ہے:

...إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ حَوَّاءَ مِنْ ضِلْعِ آدَمَ الْأَيْسَرِ الْأَقْصَى وَأَضْلَاعُ الرِّجَالِ تَنْقُصُ وَأَضْلَاعُ النِّسَاءِ تَمَام[۵]۔

۱۔ سورہ نساء، آیت ۱
۲۔ سورہ اعراف، آیت ۱۸۹
۳۔ سورہ زمر، آیت ۶
۴۔ شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، باب میراث الخُنثی، ص ۳۲۶، ح ۵۷۰۲
۵۔ ایضاً، باب میراث الخُنثی، ص ۳۲۸، ح ۵۷۰۴

مفسرین نے بھی ایک نظریہ کے طور پر اس رائے کو اپنی تفسیر میں جگہ دی ہے بلکہ شیخ طوسی اور علامہ طبرسی کے بقول اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے[۱]۔ کتاب تکوین کے عہد عتیق میں بھی آیا ہے کہ آپ کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے[۲]۔ جب کہ بعض دیگر مفسرین[۳] کی رائے اور کچھ تفسیری روایتوں میں ملتا ہے کہ جناب حوّاؑ کی خلقت جناب آدمؑ کی باقی رہ گئی اضافی مٹی سے ہوئی ہے۔ شیخ طوسی نے حضرت امام محمد باقرؑ کی یہ حدیث لکھی ہے:

و قال ابو جعفر (ع): خلقها من فضل الطينة التي خلق منها آدم[۴]۔

علامہ طبرسی نے بھی اسی طرح کی ایک حدیث نقل کی ہے:

وروی عن ابي جعفر الباقر أن الله تعالى خلق حواء من فضل الطينة التي خلق منها آدم[۵]۔

ملا محسن فیض کاشانی نے تفسیر الصافی میں اس سلسلہ میں سیر حاصل گفتگو کی ہے[۶]۔ علامہ طباطبائیؒ کا ماننا یہ ہے کہ جناب حوّاؑ کی جناب آدمؑ سے خلقت سے مراد یہ ہے کہ ان کی جنس آدم سے ہے۔ ان کے بقول بعض روایات میں جناب آدمؑ کی پسلیوں سے جناب حوّاؑ کی خلقت کا تذکرہ ضرور آیا ہے، مگر اس کا ثبوت آیتوں سے نہیں ملتا[۷]۔

«وَخَلَقَ مِنها زَوْجَها» کی تفسیر میں بعض دیگر معاصر مفسرین نے بھی پسلیوں سے تخلیق والی روایات کو غیر معتبر گردانتے ہوئے قرآن مجید کی دوسری آیات کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ حضرت حوا کی خلقت آدم کے جنس سے ہوئی ہے اور «وَمِنْ آياتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْواجاً لِتَسْكُنُوا إِلَيْها»[۸] اور «وَاللهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْواجاً»[۹] کا سہارا لیتے ہوئے نتیجہ نکالا ہے کہ ظاہر ہے ان آیات میں جوڑوں کی ایک دوسرے سے

۱۔ شیخ طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۹۹؛ فضل بن حسن طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵ و ۶

۲۔ کتاب مقدس، پیدائش ۲: ۲۱-۲۳

۳۔ شیخ طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۹، ص ۷)؛ وروی عن ابي جعفر (ع) أن حواء خلقت من فضل طينة آدم (ع) (شیخ طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۱۰۰ و ۱۰۱)؛؛ وروی عن أبي جعفر الباقر (ع) أن الله تعالى خلق حواء منفصلا لطينة التي خلق منها آدم (فضل بن حسن طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵ و ۶)؛ ابوالفتوح رازی، روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن، ج ۵، ص ۲۳۴

۴۔ شیخ طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۹۹

۵۔ فضل بن حسن طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵ و ۶

۶۔ ملا محسن فیض کاشانی، تفسیر الصافی، ج ۱، ص ۴۱۳ تا ۴۱۸

۷۔ سید محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۴، ص ۱۳۶

۸۔ سورہ روم، آیت ۲۱

۹۔ سورہ نحل، آیت ۷۲

تخلیق سے مراد یہ ہے کہ اس نے انھیں تمہاری جنس سے بنایا ہے نہ کہ تمہارے جسم کے اعضاء سے۔ تفسیر عیاشی میں امام محمد باقرؑ سے منقول روایت کے مطابق آدم کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے حوا کی تخلیق کی سختی سے تردید کی گئی اور کہا گیا کہ حوا کو آدم کی مٹی کے باقیات سے پیدا کیا گیا ہے[۱]۔

گویا جیسا کہ «خَلَقَ لَکُمْ مِنْ أَنْفُسِکُمْ أَزْواجاً»[۲] اور «جَعَلَ لَکُمْ مِنْ أَنْفُسِکُمْ أَزْواجاً»[۳] نیز «وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمْ مِنْ أَنْفُسِکُمْ أَزْواجاً»[۴] میں تمام افراد بشر کی ایک جیسی تخلیق کی طرف اشارہ ہے، خلقت جناب حوا کی طرف اشارہ کرنے والی مذکورہ آیتوں میں بھی جناب آدمؑ وحواؑ کی خلقت کے ایک جیسے ہونے کا بیان ہے اور بس۔علامہ مجلسیؒ نے بھی اسی احتمال کو تقویت دی ہے[۵]۔

عورت کی خلقت کا مقصد

جس طرح پوری کائنات، انسان کے طفیل میں اور اسی کے لئے خلق ہوئی ہے، عورت کے وجود کو بھی طفیلی اور اس کو مردوں کے لئے پیدا کئے جانے[۶] کے نظریہ کے برخلاف، قرآنی آیات کریمہ سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ اس کا وجود بھی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے[۷]۔

یہ چند ایک آیات شریفہ ملاحظہ ہوں۔ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ[۸]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[۹]

قرآن مجید کی ان آیات کریمہ میں مرد و عورت تمام انسانوں سے یہ عمومی خطاب ہے۔ ان آیتوں میں مرد اور عورت کے درمیان بغیر کسی فرق کے، جن وانس کی خلقت کا مقصد صرف خدا کی بندگی و عبادت اور لوگوں کے باتقویٰ تر ہونے کو ان کی بزرگی اور خدا کے نزدیک محترم و مکرم ہونے کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے۔

۱۔ ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج۳، ص۲۴۵و۲۴۶

۲۔ سورہ روم، آیت ۲۱

۳۔ سورہ شوری، آیت ۱۱

۴۔ سورہ نحل، آیت ۷۲

۵۔ علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۱، ص ۲۲۳

۶۔ فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)، ج۲۵، ص۱۱۰

۷۔ مکارم شیرازی، الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل، ج۲، ص۱۵۴-۱۵۵؛ یادداشتہای استاد مطہری، ج۵، ص۸۱، ۲۶۰

۸۔ سورہ ذاریات، آیت ۵۶

۹۔ سورہ حجرات، آیت ۱۳

اس بناپر عورتوں کا مردوں کو فائدہ پہنچانا، یاان کے سکون واطمینان کا باعث ہونا[۱]، ان کی خلقت کے اصلی و حقیقی مقصد کے عنوان سے نہیں بلکہ انسانیت کے تقاضوں اور تکامل حیات کے لئے باہمی رابطوں کی وجہ سے ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں کو فائدہ پہنچانا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔گویاجوڑوں کی خلقت اور ازدواجی زندگی کا مقصد، سکون اور اطمینان کا حصول ہے۔

سورہ روم کی ۲۱ویں آیہ مبارکہ سے ابتدائی طور پر گرچہ اس احتمال کا گمان ہوتاہے کہ اللہ تعالی کا خطاب مردوں سے ہے اور عورتیں ان کے سکون واطمینان کا سبب قرار پائی ہیں[۲]؛ لیکن سورہ روم ہی کی ۲۰ویں اور ۲۲و۲۴ویں آیتوں کے تسلسل سے اس احتمال کے امکان کی نفی ہوجاتی ہے جہاں عمومی طور پر انسانوں سے خطاب ہوا ہے اور یہ صراحت ہے کہ خدا کا خطاب عام ہے اور مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لئے آرام وسکون کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے[۳]، یہ احتمال اس لئے بھی آیہ شریفہ کے ظاہر سے بطور کامل تناسب رکھتا ہے، کیونکہ کلمہ "زوج" عربی زبان میں شریک حیات کے معنی میں ہے[۴] لہٰذا قرآن کریم کی آیتوں اور معصومین علیہم السلام کی حدیثوں میں تدبر کرنے کے بعد ذرہ برابر کوئی بھی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ عورت کا وجود ایک مستقل وجود ہے اور عورت سے بھی مرد کی طرح کمال وبلندی کے راستہ کو طے کرنے کا تقاضہ کیا گیا ہے۔

مرد وعورت کا تخلیقی فرق، اس کی حکمت اور اثرات وبرکات

دوسری تمام مخلوقات پر انسان کی تفضیل وتکریم[۵] اور احسن تقویم[۶] ہونے میں مرد وعورت دونوں یکساں طور پر شامل ہیں مگر ان کے درمیان جسمانی اور ظاہری فرق پایا جاتا ہے، قد، کاٹھی اور ان کی ظاہری ساخت و بافت کی طرح ان کے حقوق اور احکام کا فرق بھی فطری و طبعی ہے۔ظاہر ہے دونوں کے درمیان فرق،

۱۔ سورہ روم، آیت ۲۱؛ سورہ اعراف، آیت ۱۸۹

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۳، ص ۴۳۹؛ ملا فتح اللہ کاشانی، زبدۃالتفاسیر، ج ۶، ص ۲۰۵

۳۔ عبداللہ نسفی، مدارک التنزیل و حقائق التاویل، ج ۳، ص ۲۷۰؛ ابوالفتوح رازی، روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵

۴۔ شیخ طوسی، التبیان فی تفسیرِ القرآن، ج ۸، ص ۲۴۰؛ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۳۸۴؛ حسن مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج ۴، ص ۳۶۴

۵۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا-ترجمہ: یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انھیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انھیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت عطا فرمائی۔(سورہ اسراء، آیت ۷۰)

۶۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ -ترجمہ: ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔(سورہ تین، آیت ۴)

برتری اور کمتری کا نہیں بلکہ خصوصیات کا ہے، مرد کی خصوصیات مرد کو ممتاز بناتی ہیں اور عورت کی خصوصیات عورت کو۔

قرآن عظیم کی اس آیہ مبارکہ میں بظاہر اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللّٰہَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔

ترجمہ: اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو مردوں کے لئے ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے انجام دئے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ملے گا جو انھوں نے کئے اور خدا سے اس کا فضل و کرم مانگتے رہو بے شک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔[1]

آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالی نے سب انسانوں کو الگ الگ خصوصیات سے نوازا ہے۔ اس سلسلہ سے کسی کو کسی پر بطور مطلق کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اصل اہمیت آخرت کے لئے تگ و دو اور کمائی کی ہے جس کا اصول سب کے لئے یکساں ہے اور اس کے دروازے سبھی کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔

خصوصیات میں فرق ایک بات ہے اور مقام و مرتبہ میں فرق ایک دوسری بات۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔

ترجمہ: اور عورتوں کے لئے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق اُن پر ہیں البتہ مردوں کو اُن پر ایک درجہ حاصل ہے۔[2]

آیہ کریمہ میں اللہ تعالی نے مرد و عورت میں سے ہر ایک کے دوسرے پر حق کو مختصر عبارت میں بیان کر دیا کہ حقوق وواجبات کا پیمانہ یکساں ہے۔ یہ ایک کلی قاعدہ ہے کہ عورت، تمام حقوق میں مرد کے برابر ہے۔ رہی بات «وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ»، یعنی مردوں کو عورتوں پر ایک امتیاز حاصل ہونے کی، تو یہ، ایک درجہ زیادہ اختیار، کئی درجہ زیادہ ذمہ داریوں کا مصداق ہے۔

۱۔ سورہ نساء، آیت ۳۲   ۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸

رشید رضا کے بقول: یہ درجہ عورت پر ایک چیز واجب کرتا ہے اور مردوں پر بہت سی چیزیں واجب کرتا ہے، کیوں کہ یہ درجہ سرداری اور مصالح کی انجام دہی کا درجہ ہے[۱]۔ اندلسی نے اس درجہ کی تفسیر داڑھی بتائی ہے[۲]۔اس کے علاوہ اس جملہ میں درجۃ کا لفظ تو آیا ہے مگر اس کے ساتھ تفضیل یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں ہے، جیساکہ دوسرے مقامات پر آیا ہے، جیسے: «فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِینَ بِأَمْوَالِھِمْ وَأَنفُسِھِمْ عَلَى الْقَاعِدِینَ دَرَجَۃً»[۳]،جو کہ دراصل اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ حقوق واختیارات میں کسی کو کچھ زیادہ حاصل ہو اور کوئی کسی سے برتر اور افضل ہو، دو الگ الگ باتیں ہیں۔

مردوں کے قیم وسرپرست ہونے کی بنیاد بھی خصوصیات کا فرق ہی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

> الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِھِمْ۔
>
> ترجمہ: مرد عورتوں کے قیم وسرپرست ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے۔[۴]

اس آیہ کریمہ بلکہ پورے قرآن مجید میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے مرد کو عورت پر فضیلت عطا کی ہے بلکہ صرف اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ عائلی زندگی میں مرد کے اختیارات کچھ زیادہ ہوتے ہیں، مرد کی عورت پر فضیلت کی وجہ سے نہیں بلکہ مرد وعورت کی جداگانہ خصوصیات، مرد کا اس ذمہ داری کے لئے زیادہ موزوں ہونا اور اس کی اضافی ذمہ داریوں کے پیش نظر۔اسی بات کو قیمومیت یا قیّم سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ مردوں کو عورتوں پر کسی طرح کی برتری، فضیلت، فوقیت اور زیادہ عزت حاصل ہے، بلکہ سماجی سطح پر مرد وعورت دونوں یکساں مقام اور مساوی عزت رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت کے نزدیک فضیلت کا معیار تقوی اور اعمال ہیں[۵] مرد یا عورت ہونا نہیں۔ دراصل یہ مرد وعورت کے درمیان ذمہ داریوں کی انتظامی نوعیت کی تقسیم کی طرف اشارہ ہے۔

۱۔ رشید رضا، تفسیر المنار، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸ کے ذیل میں

۲۔اندلسی، احکام القرآن، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸ کے ذیل میں

۳۔ سورہ نساء، آیت ۹۵

۴۔سورہ نساء، آیت ۳۴

۵۔ یا أَیھَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِندَ اللّٰہِ أَتْقَاکُمْ ۔

ترجمہ: لوگو، ہم نے تم کو مرد اور عورت کی صورت میں پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ (سورہ حجرات، آیت ۱۳)

قابل غور بات یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں قوام کا لفظ آیا ہے جس میں ذمہ داری کا پہلو غالب ہے، حکومت وامارت کا نہیں۔ اسی طرح «فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ» کہا گیا ہے «فضّل اللہ الرجال علی النساء» نہیں۔ یہ اسلوب ویسے ہی ہے جیسے رسولوں کے بارے میں کہا گیا: «تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ»[۱] یعنی ہم نے بعض کو کچھ پہلوؤں سے دوسرے بعض سے زیادہ دیا۔ تو جس طرح رسولوں کے لئے یہ بات کہی گئی کہ ہر کسی کو الگ الگ پہلو سے فضیلت دی گئی، مثلاجناب موسیٰ کو حضرت عیسیٰ پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اللہ نے ان سے کلام کیا، اور حضرت عیسیٰ کو جناب موسیٰ کے مقابلے میں یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے، اسی طرح اس آیہ مبارکہ میں یہ کہا گیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کو الگ الگ پہلوؤں سے فضیلت دی گئی ہے۔ مثلاً محافظت ومدافعت کی جو قوت وصلاحیت یا کمانے اور کسب معاش کی جو استعداد وہمت، عام طور پر مرد کے اندر ہے، عموماًوہ عورت کے اندر نہیں ہوتی، اس رخ سے مرد کو عورت پر فضیلت اور نمایاں تفوّق حاصل ہے اوروہی قوامیت کی ذمہ داری کے لئے سزاوار ہے۔اسی طرح گھر سنبھالنے، خاندان کی دیکھ ریکھ اور بچوں کی پرورش ونگہداشت کی جو صلاحیت عورت رکھتی ہے، وہ مرد نہیں رکھتا، یہ عورت کی فضیلت کا پہلو ہے اسی وجہ سے قرآن مجید نے یہاں بات مبہم انداز میں کہی ہے جس سے مرد اور عورت دونوں کا کسی نہ کسی پہلو سے صاحب فضیلت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

احکام وراثت کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے:

> يوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ-ترجمہ: تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔[۲]

مرد کو عورت سے زیادہ میراث ملنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ افضل ہے بلکہ شیخ رشید رضا کے بقول اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مرد پر اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا خرچ واجب ہے، جب کہ عورت صرف اپنے اوپر خرچ کرتی ہے اور اگر اس کی شادی ہوجائے تو اس کا اپنا خرچ بھی اس کے شوہر پر ہوتا ہے[۳]۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی تعبیرات نہایت بلیغ اور بے مثل ونظیر ہیں اور مرد کا عورت سے بہتر وبرتر ہونے یا عورت کا مرد سے کم تر وپست تر ہونے کا تصور، غیر اسلامی وغیر قرآنی ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی مرد کو

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۳

۲۔ سورہ نساء، آیت ۱۱

۳۔ رشید رضا، تفسیر المنار، سورہ نساء، آیت ۱۱ کے ذیل میں

عورت سے افضل یا عورت کو مرد سے کم تر قرار نہیں دیا گیا ہے۔ہاں کچھ مفسرین نے غیر اسلامی افکار اور رسم ورواج سے متاثر ہو کر اس تصور کو قرآن حکیم کی آیتوں سے ضرور جوڑ دیا ہے۔

بہر حال بعض علماء و مفسرین اور مسلمان دانشمندوں نے مرد و عورت کے درمیان موجود فرق کا تفصیل کے ساتھ، جدید علمی نظریات کی روشنی میں ہر رخ سے تحقیق و تحلیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے[۱]۔ علامہ طباطبائی نے مردوں میں عقلانیت کے غلبہ کو اور عورتوں میں جذبات و عواطف کے غلبہ کو، ایک موثرترین بنیادی فرق کے عنوان سے متعارف کرایا ہے[۲]۔

مرد و عورت کے طبعی فرق کی حکمت، انسانی سماج کی تشکیل اور نسل بشری کا آگے بڑھنا ہے۔انسانیت کی بقاء اور اس کی سعادت کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ مرد اور عورت کو جوڑے کی شکل میں پیدا کرے، ان کے درمیان جسمانی اور روحانی ایسا فرق رکھے جو دو طرفہ کشش کا حامل ہو اور ان کو ایک دوسرے کا خواہاں بنائے رکھے[۳]۔

عورت کی قدر و منزلت اور مرتبہ و مقام

دین اسلام کا ظہور اور قرآن عظیم کا نزول، عورت کے لئے غلامی، ذلت و خواری اور ظلم و استحصال کے بندھنوں سے آزادی کا پیغام تھا۔ اسلام نے عورت کے بارے میں انسانی وقار کے منافی تمام بیہودہ تصورات اور رائج رسومات پر خط بطلان کھینچ کر اسے اس کے شایان شان حقوق عطا کئے، اور ایسی عزت و تکریم سے نوازا جس کی بدولت وہ معاشرے میں مردوں کے ہم پلہ قرار پائی۔

قرآن مجید کی نگاہ میں مرد و عورت ایک ہی ذریعہ سے پیدا کئے گئے ہیں[۴]۔ عورت کی تکریم و تعظیم کا یہ پہلا ثبوت ہے کہ خالق کائنات نے تخلیق کے مرحلہ میں عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں رکھا، انسانیت کی تکوین میں بھی عورت مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں ہے۔ اس بنیاد پر عورت اور مرد کے درمیان انسانی قدر و قیمت کے لحاظ سے اور معنوی فضائل کے حصول اور کمال کی راہ کو طے کرنے اور خدا کا تقرب پانے میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا ہے[۵]۔

۱۔ مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، ج ۱۹، نظام حقوق زن در اسلام، ص ۱۷۱-۳۱۲

۲۔ علامہ طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۴، ص ۳۴۶-۳۴۷

۳۔ مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، ج ۱۹، نظام حقوق زن در اسلام، ص ۱۷۱-۳۱۲

۴۔ سورہ نساء، آیت ۱؛ اعراف، آیت ۱۸۹؛ زمر، آیت ۶

۵۔ مکارم شیرازی، الامثل، ج ۲، ص ۱۵۴

قرآن کریم بہت ہی خوبصورت، دلکش و جاذب انداز میں، مرد و عورت کے درمیان مشترکہ فضیلتوں کو شمار کرتے ہوئے اشارہ کرتا ہے کہ:

مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں، مومن مردوں اور مومنہ عورتوں، اطاعت گذار مردوں اور مطیع عورتوں، سچے مردوں اور سچی عورتوں، صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں، خاشع مردوں اور خاشع عورتوں، صدقہ دینے والے مردوں اور صدقہ دینے والی عورتوں، روزہ رکھنے والے مردوں اور روزہ رکھنے والی عورتوں، پاکدامن مردوں اور عفیف عورتوں، بہت زیادہ خدا کو یاد کرنے والے مردوں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے بخشش و مغفرت اور عظیم اجر و انعام فراہم کر رکھا ہے[1]۔

یہ عورت کے مقام و منزلت ہی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کا استحقاق مرد و عورت کے لئے برابر ہے۔ ایک اور ارشادِ ربانی ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ-
ترجمہ: ان کے رب نے ان کی التجا کو قبول کرلیا (اور فرمایا) کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے میں سے ہی ہو۔[2]

عورت کی قدر و قیمت اور معاشرے میں اس کی عزت و احترام یقینی بنانے کا ایک راستہ یہ ہے کہ اس کی عصمت و عفت کا تحفظ ہو۔ قرآن کریم نے عورت کو حق عصمت عطا کیا اور مردوں کو بھی پابند کیا کہ وہ اس کے اس حق کی حفاظت کریں:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ-ترجمہ: مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے پاکیزگی کا موجب ہے۔ اللہ اس سے واقف ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں۔[3]

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۳۵
۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۹۵
۳۔ سورہ نور، آیت ۳۰

پردہ کے احکام، عورتوں کے حق عصمت و عفت کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے ہی وضع ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم میں خواتین کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کرنے کی تعلیم[۱]، جہاں صالح و پاکیزہ معاشرہ کی بنیاد ڈالنے کا مقدمہ ہے، وہیں عورت کے مقام و منزلت کو اجاگر کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

یہ بھی عورتوں کی قدر و قیمت اور وقار و منزلت کی ایک نمایاں مثال ہے کہ قرآن عظیم نے بعض رشتہ داروں سے نکاح حرام قرار دے کر[۲]، عورت کی تذلیل کرنے والے زمانۂ جاہلیت کے قدیم نکاح جو درحقیقت زنا تھے، ان سب کو باطل کرکے عورت کو عزت بخشی۔ اس کے برخلاف بیوی کے رشتے کی اہمیت، اس کے ساتھ شب باشی اور حسن سلوک کو نسل انسانی کے تسلسل و بقاء کے لئے اپنی نعمت قرار دیا[۳]۔

دور جاہلیت کی ایک مذموم رسم ایلاء رہی ہے، اس وقت یہ ایک عام رواج تھا کہ شوہر بیوی کو ستانے کی غرض سے قسم کھالیتا تھا کہ میں بیوی سے مقاربت نہیں کروں گا، اس طرح عورت معلقہ ہو کر رہ جاتی تھی۔ قرآن مجید نے اسے باطل ٹھہراتے ہوئے مرد پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی کہ وہ حتی الامکان حقوق زوجیت ادا کرنے سے دریغ نہ کرے[۴]۔

جس معاشرہ میں بیٹی کی پیدائش کو ذلت و رسوائی سمجھ کر اسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا[۵]، قرآن مجید نے اسے وہ عزت و احترام اور معاشرتی و سماجی سطح پر ایسا بلند مقام عطا کیا کہ اسے وراثت کا حقدار بنا دیا[۶]۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے عورت کو ملکیت کا حق بھی دیا جس کی بدولت وہ جہیز اور مہر وغیرہ کی مختار ہو جاتی ہے، ساتھ ہی مردوں کو نہ صرف عورت کی ضروریات کا کفیل بنایا بلکہ انہیں تلقین کی کہ اگر وہ مہر کی شکل میں ڈھیروں مال بھی دے چکے ہوں تو واپس نہ لیں، کیونکہ وہ عورت کی ملکیت بن چکا ہے[۷]۔

نزول قرآن سے پہلے خواتین کو مردوں کی جاگیر سمجھا جاتا تھا اور انہیں شادی کا حق حاصل نہ تھا، قرآن کریم نے عورت کو حق دیا کہ شریعت کے اُصول و ضوابط کے اندر رہتے ہوئے انھیں نکاح کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا[۸]۔ شریعتِ مطہرہ کی رو سے، طلاق صرف شوہر کا حق ہے، لیکن اگر عورت اپنی ازدواجی زندگی سے مطمئن نہ ہو، شوہر اسے ناپسند ہو اور ڈر ہو کہ حدود الٰہی کی پاسداری نہ کرسکے گی تو وہ خلع لے سکتی ہے[۹] گویا یہ

۱۔ سورہ نور، آیت ۳۱
۲۔ سورہ نساء، آیت ۲۳
۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۸۷
۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۲۶
۵۔ سورہ نحل، آیت ۵۸و۵۹
۶۔ سورہ نساء، آیت ۱۱
۷۔ سورہ نساء، آیت ۲۰
۸۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۳۲و۲۳۴
۹۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۲۹

طلاق کی طرح عورت کے پاس مرد سے چھٹکارا پانے کا ایک ذریعہ ہے، جس کے بعد وہ اپنے نفس کی مالک ہو جاتی ہے اور اُس کا معاملہ خود اُس کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔

قرآنی نقطہ نظر سے عورت میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ معنوی فضیلتوں کو حاصل کرنے میں اس مقام تک پہنچ جائے کہ جناب مریم سلام اللہ علیہا کی طرح خدا کی جانب سے چن لی جائے اور فرشتوں سے ہم کلام ہو[۱]، روح خدا اس کے وجود میں پھونکی جائے[۲]، صدیقین کا مقام حاصل کرے[۳] اور اپنے بیٹے حضرت عیسیٰ، اللہ کے عظیم پیغمبر کے ساتھ خدا کی آیتوں میں سے آیت شمار کی جائے[۴]۔

اگرچہ عورت کا مقام نبوت کو حاصل کرنے کے سلسلہ سے مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، جبکہ اکثر اس احتمال کو اصلاً قبول نہیں کرتے یا بے دلیل جانتے ہیں، اور کچھ اس کے امکان کے قائل ہیں[۵]۔ بعض نے شک و تردید کے ساتھ نبوت کی دو قسموں کے درمیان یعنی وہ نبوت جو خدا کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داری کے ساتھ لوگوں کی جانب بعثت اور نبوت محض کہ جس میں اجتماعی امور میں دخالت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور خدا و نبی کے درمیان ایک وحیانی رابطہ کے ذریعہ سے محدود ہوتی ہے، عورتوں کی نبوت کو دوسری قسم میں قبول کیا ہے[۶]۔

القصہ قرآن عظیم نے ہر سطح پر عورت کو وہ تحفظ اور عزت و احترام عطا کیا ہے جس کی کسی دوسرے نظام زندگی میں مثال نہیں ملتی، اور اس سے قرآنی آیات میں عورت کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

منابع و مآخذ:

- ❖ قرآن کریم
- ❖ علل الشرائع، شیخ صدوق، باب ۱۴ باب العلۃ من اجلھا سمیت حواء حواء
- ❖ من لایحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق، باب میراث الخنثیٰ
- ❖ التبیان فی تفسیر القرآن، شیخ طوسی
- ❖ جامع البیان فی تفسیر القرآن، ابو جعفر، محمد بن جریر طبری

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۴۲

۲۔ سورہ تحریم، آیت ۱۲

۳۔ سورہ مائدہ، آیت ۷۵

۴۔ سورہ انبیاء، آیت ۹۱

۵۔ شمس الدین قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ج ۴، ص ۸۳

۶۔ جوادی آملی، زن در آئینہ جلال و جمال، ص ۱۴۴

- ❖ مجمع البیان فی تفسیر القرآن ، فضل بن حسن طبرسی
- ❖ کتاب مقدس، پیدائش ۲
- ❖ تفسیر صافی، ملا محسن فیض کاشانی
- ❖ المیزان فی تفسیر القرآن، سید محمد حسین طباطبائی
- ❖ تفسیر نمونہ، ناصر مکارم شیرازی
- ❖ بحار الانوار، علامہ مجلسی
- ❖ التفسیر الکبیر، فخر الدین رازی، (ضمن آیہ مفاتیح الغیب)
- ❖ الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل، مکارم شیزازی
- ❖ یادداشت ھای استاد مطہری
- ❖ تفسیر القرآن العظیم ،ابن کثیر
- ❖ زبدۃ التفاسیر ،ملا فتح اللہ کاشانی
- ❖ المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی
- ❖ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، حسن مصطفوی
- ❖ تفسیر المنار، رشید رضا
- ❖ احکام القرآن، اندلسی
- ❖ مجموعہ آثار، شہید مرتضیٰ مطہری
- ❖ الجامع لاحکام القرآن، شمس الدین قرطبی
- ❖ زن در آیینہ جلال و جمال، جواد آملی

اسلام میں عورت ایک باعزت و باوقعت دولت

مولانا سید محمد جابر جوراسی

کل سے لے کر آج تک عالمی ثقافت میں عورت کو ایک بے وقعت اور قابلِ تجارت شرم ناک وجود کا درجہ دیا گیا ہے جو عورت کی صریحی توہین اور ایک انتہائی باوقار وجود کی تذلیل ہے چنانچہ کل بھی یہی دیکھا گیا اور آج بھی آئے دن اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے کہ اس باعزت وجود کو طرح طرح سے اذیت و ذلت کا شکار بنایا جاتا ہے لیکن اسلام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

۲۰/جمادی الاخر عالم انسانیت کی ایک ایسی معتبر ترین خاتون جن کی سیرت پوری دنیا کی خواتین کے لئے نمونۂ عمل ہے ان کی ولادت کی تاریخ ہے۔ اس دن کو بانی انقلاب اسلامی ایران حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی علیہ الرحمہ نے عالمی یوم خواتین کا نام دیا ہے۔ یہ دن دنیا پر ظاہر کرتا ہے کہ اسلام میں خواتین کی کیا اہمیت و عظمت ہے۔ حسن اتفاق ہے کہ قائد انقلاب اسلامیؒ کا یوم ولادت بھی یہی ۲۰/جمادی الاخری ہے[۱]۔ یہ جو آج اسلامی جمہوریہ ایران میں مغرب نے حجاب کا شاخسانہ پیدا کیا ہے دراصل یہ اسلامی ثقافت کے مثبت اثرات کو برداشت نہ کرپانے کا منفی نتیجہ ہے۔ مغرب نہیں چاہتا ہے کہ اس نے عورت کو جس بدترین درجہ پر پہنچادیا ہے اس سے وہ ابھر سکے جبکہ اسلام اسے عزت و احترام کے اعلیٰ درجے پر پہنچانا چاہتا ہے۔ مغربی ثقافت کیا ہے وہ باقاعدہ دیکھی اور سمجھی جاسکتی ہے۔

بنام جشن سال نو مسیحی سال کے آغاز پر پوری دنیا میں جو طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے وہ قابلِ تشریح نہیں ہے۔ نائٹ کلب، اور ہوٹلوں کے ہال، وہ وہ مناظر پیش کرتے ہیں کہ جس میں عورت کو انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہی نہیں بلکہ بالآخر اسے اذیتوں کا شکار بنادیا جاتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں

۱۔ ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۲۰ ہجری قمری، مطابق ۲۴/ستمبر ۱۹۰۲ء

اور نہیں جاتے اپنے ملک کے دارالحکومت دہلی میں ۳۱/دسمبر ۲۰۲۲ اور یکم جنوری ۲۰۲۳ کی درمیانی رات کو جو واقعہ پیش آیا اس کو پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں اس لئے بھی کہ ہمارا ملک مغربی تہذیب کا دلدادہ نہیں ہے پھر بھی مغربی تہذیب سے جو ممالک متاثر ہوتے ہیں اس کی زد میں ہمارا ملک بھی آجاتا ہے۔

نئے سال کے پہلے ہی دن قومی راجدھانی کے علاقے کنجھاوالا میں لڑکوں کی گاڑی سے ٹکرانے کے بعد اسکوٹی پر سوار لڑکی کو سڑک پر کئی کلومیٹر تک گھسیٹا گیا جس سے متاثرہ لڑکی کی موت ہو گئی۔

مذکورہ بالا واقعہ کی طرح ہی اسی شب کو نئی دہلی سے ملے ہوئے یوپی کے علاقے نوئیڈا میں بھی ایک واقعہ پیش آیا اور دنیا میں کہاں کہاں کون کون سے افسوسناک واقعات پیش آئے ہوں گے ان کا احاطہ اس مضمون میں ممکن نہیں ۔ دراصل یہ صورت حال اس جدید مغربی کلچر کا نتیجہ ہے جس میں شرم وحیاء بالائے طاق ہوتی ہے، بے حجابی انتہا پر ہوتی ہے۔ زن ومرد کے مخلوط بود وباش کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

بیشک اس طرح کے مجرمین سخت سے سخت سزا کے مستحق ہوتے ہیں جو اپنی کارستانیوں سے معاشرے کو داغدار بناتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کی جانب بھی توجہ دینا ضروری ہے کہ صنف نسواں کو آزاد معاشرے کا حصہ نہ بنانا چاہئے تاکہ مذکورہ بالا جیسے واقعات سے بچا جاسکے۔ عورت کو اگر حفاظتی دائرے میں نہ رکھا جائے تو اس کی حیثیت ایک ایسی سونے چاندی کی مورتی جیسی ہوتی ہے جسے بغیر کسی حفاظت کے چوراہے پر رکھ دیا جائے اور یہ پابندی لگا دی جائے اگر کسی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔ شاطر چور اس اعلان کے باوجود نظریں بچا کر اپنا کام کر جاتے ہیں۔ اور ایسا ہی کچھ موجودہ معاشرے میں ہوتا آرہا ہے۔

اسلام نے حجاب وغیرہ کے ذریعہ ایک طرف عورت کی حفاظت کا انتظام کیا تو دوسری طرف محرم و نامحرم کے مسائل کے ذریعہ عورتوں اور مردوں کو متعینہ حدود کے حصار میں رکھا۔ دورِ جاہلیت میں جب اسلام کی نشاۃ نو کی روشنی پھیلی نہیں تھی تو لڑکی کو انتہائی کمتر درجہ دیا جاتا تھا بلکہ عام فکر یہی تھی کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہی نہ ہونے پائے اور اگر پیدا ہو بھی جائے تو اسے انتہائی فال بد سمجھا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے اس کی جانب اس طرح اشارہ کیا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ۔ ترجمہ: جب کسی کو خبر دی جاتی تھی کہ تمہارے یہاں بیٹی ہوئی ہے تو چہرہ سیاہ ہو جاتا تھا اور اسے غصہ آجاتا تھا[1]۔

۱۔ سورہ نحل، آیت ۹۵

صرف غصہ ہی نہیں آتا تھا بلکہ خطہ عرب میں اسلام کی روشنی پھیلنے سے پہلے بڑی بے دردی سے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اسلام میں یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حشر میں ایسے مجرموں سے سخت باز پرس ہوگی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ (۸) بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ (۹)

ترجمہ: اور جب زندہ درگور لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ انہیں کس گناہ میں مارا گیا ہے؟![۱]

عراق کے فرماں روا نعمان بن منذر نے مخالفین پر حملہ کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا، ان کے اموال کو لوٹ لیا اور ان کی لڑکیوں کو اسیر کر لیا۔ بنی تمیم خاندان کے سردار اس کی خدمت میں پہنچے اور اس سے درخواست کی کہ ان کی لڑکیوں کو واپس کر دے۔ بعض لڑکیوں نے قید خانہ میں شادی کر لی تھی لہٰذا نعمان بن منذر انہیں اختیار دے دیا کہ خواہ اپنے شوہروں کے ساتھ زندگی گزاریں یا پھر طلاق لے کر اپنے والدین کے ساتھ واپس چلی جائیں۔ قیس بن عاصم جو کہ بنی تمیم خاندان کے سرداروں میں سے تھا، اس کی لڑکی نے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی، قیس بن عاصم کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی، چنانچہ اس نے یہ عہد کیا کہ آج کے بعد اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دے گا، رفتہ رفتہ یہ رسم دوسرے قبیلوں میں بھی سرایت کر گئی، یہاں تک کہ قیس حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوا، انصار میں سے کسی شخص نے اس کی لڑکی کے بارے میں سوال کیا؟

قیس نے کہا: میں نے اپنی ساری لڑکیوں کو درگور کر دیا اور مجھے کوئی احساس نہیں ہوا سوائے ایک مرتبہ کے، وہ اس طرح کہ ایک بار میں سفر پر گیا اور گھر میں پیدائش ہونے والی تھی، اتفاق سے سفر طولانی ہو گیا، واپس آکر میں نے اپنی بیوی سے بچہ کی پیدائش کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے کہا: بچہ مرا ہوا پیدا ہوا تھا، لیکن درحقیقت لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اس نے قتل کے خوف کی وجہ سے لڑکی کو اپنی بہنوں کے سپرد کر دیا تھا، کافی عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ لڑکی جوان ہو گئی اور مجھے اس کی کوئی خبر نہیں تھی، ایک دن میں اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا اچانک ایک لڑکی گھر میں داخل ہوئی اور اپنی ماں کو تلاش کرنے لگی، لڑکی بہت خوبصورت تھی، بالوں کو سنوارے ہوئے تھی اور گردن میں ہار پڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے پوچھا: یہ لڑکی کس کی ہے؟

۱۔ سورہ تکویر، آیت ۸۔۹

اس نے رو کر کہا: یہ آپ کی لڑکی ہے، جو اس وقت پیدا ہوئی تھی جب آپ سفر پر گئے ہوئے تھے، میں اسے آپ کے ڈر سے چھپائے ہوئے تھی، میرے چپ رہنے سے میری بیوی نے سوچا کہ میں راضی ہوں اور اسے قتل نہیں کروں گا۔ اس طرح کچھ عرصہ بعد میری بیوی اطمینان کے ساتھ گھر سے چلی گئی۔ میں اپنے عہد و پیمان کے مطابق اپنی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے آبادی سے بہت دور لے گیا، گڑھا کھودتے وقت لڑکی نے کئی بار مجھ سے پوچھا: بابا جان! آپ گڑھا کیوں کھود رہے ہیں؟ گڑھا کھودنے کے بعد میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر اس میں گرادیا۔ اور اس کے اوپر مٹی ڈال دی اور اس کے دل خراش نالہ وبکا پر کان نہیں دھرا۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی، بابا جان! آپ مجھے مٹی میں دبا رہے ہیں؟ اور مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر ماں کے پاس جارہے ہیں؟ اور میں اسی طرح اسکے اوپر مٹی ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ گڑھے میں دب گئی، پس اس مقام پر میرا دل آزردہ خاطر ہوا۔ جب قیس کی باتیں ختم ہوئیں تو رسول خداؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے کہا: اِنَّ ھٰذِہٖ لَقَسْوَۃٌ وَمَن لَایَرْحَمْ لَایُرْحَم۔ یعنی یہ پتھر دل آدمی کا کام ہے اور جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا خداوند عالم کی رحمت اس کے شامل حال نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کتاب "اسد الغابہ" مادہ قیس میں نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے اس سے پوچھا: تونے اب تک کتنی لڑکیاں زندہ درگور کی ہیں؟ اس نے کہا: بارہ۔[1]

اسلام میں لڑکیوں کی جو عزت و وقعت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

> اَلبنَاتُ حَسَناتٌ وَالبنُونَ نِعمَۃٌ فَاِنَّمَا یُثابُ عَلیٰ الحَسَناتِ وَیُسْاَلُ عَنِ النِّعْمَۃِ۔
>
> ترجمہ: لڑکی نیکی (رحمت و برکت) ہے اور لڑکا نعمت ہے۔ انسان کو نیکیوں (رحمتوں) کے بدلہ اجر وثواب ملے گا اور نعمتوں کے عوض اس سے بازپرس کی جائے گی۔[2]

لڑکیوں کو لڑکوں پر ترجیح دینے کا خصوصی حکم ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کا ارشاد ہے:

> مَنْ دَخَلَ السُّوقَ فَاشْتُرِیَ تُحْفَۃً فَحَمَلَھَا الی عِیَالِہٖ کان کحامل صَدَقَۃَ الی قَوْمٍ مَحَاوِیجَ ولیبدا بالاناث قَبْلَ الذکور فَاِنِ مَنْ فَرَّحَ ابْنَتَہُ فکانما اَعْتَقَ رَقَبَۃً مِنْ وُلْدِ اسماعیل وَمَنْ اَقَرَّ بِعَیْنِ ابْنٍ فکانما بکی مِنْ خَشْیَۃِ اللہِ وَمَنْ بکی مِنْ خَشْیَۃِ اللہِ اَدْخَلَہُ اللہُ جَنَّاتِ النَّعِیمِ۔
>
> ترجمہ: جو بھی بازار جائے اور اپنے گھر والوں کے لئے ہدیہ خریدے وہ اس آدمی کی طرح ہے جو ضرورت مندوں کو صدقہ دیتا ہے اور جب یہ ہدیہ لے کر گھر جائے تو بچوں میں لڑکوں

۱۔ فروع ابدیت، جلد ۵، ص ۸۴ و جعفر سبحانی، نقل از "حیات محمد" ص ۲۴ و ۲۵، محمد علی والمین

۲۔ فروع کافی، جلد ۶، ص ۶

سے پہلے لڑکیوں کو یہ ہدیہ دے کیوں کہ جو کوئی بھی اپنی لڑکی کو خوش کرتا ہے وہ اس انسان کی طرح ہے جس نے فرزندان اسماعیل میں سے کسی ایک بندے کو آزاد کیا ہو اور جو بھی کسی بچے کی آنکھوں میں (خوشی کی) چمک پیدا کرے گویا اس نے خوف خدا میں گریہ کیا اور جو بھی خوف خدا سے گریہ کرے تو خداوند عالم اسے جنت داخل کر دیتا ہے[۱]۔

امام جعفر صادقؑ نے رسول اکرمؐ کے حوالے سے بیان کیا ہے:

"جس شخص نے بھی تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی صحیح سرپرستی اور پرورش کی ہے تو اس پر جنت واجب ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا: اگر دو ہوں؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اگر دو کی بھی صحیح سرپرستی کی تب بھی اس پر جنت واجب ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اگر ایک لڑکی ہو؟ فرمایا وہ بھی اسی طرح ہے[۲]۔"

بالفاظ دیگر منقول ہے کہ:

قَالَ الصَّادِقُ ؑ: قَالَ: مُحَمدُ بنُ عليِّ بْنِ الحُسَيْنِ ؑ مَن عال اِبْنَتَيِن اَوْ اُخْتَيِن اَوْعَمَّتَيِن اَوْخَالَتَيْنِ حَجَبَتَاهُ مِنَ النَّارِ۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ جس نے دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی پرورش کی یا دو پھوپھیوں اور خالاؤں کا بار زندگی برداشت کیا تو یہ عمل اسے دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ بن جائے گا[۳]۔

حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی سب سے منفرد و سب سے باوقار زوجہ، زوجۂ اولیٰ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا تھیں۔ انہوں نے اپنی بہن ہالہ بنت خویلد کی تین بیٹیوں کی پرورش حقیقی بیٹیوں کی طرح کی لیکن خود ان کے بطن مبارک سے تین یا چار بیٹوں کے ساتھ صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں۔ مصلحت کردگار سے بیٹے کمسنی ہی میں ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور باپ حضرت محمد مصطفیؐ کو داغ مفارقت دے گئے۔ صرف ایک بیٹی زندہ رہی جو اولین و آخرین کی تمام عورتوں کی سردار بنیں۔ شفیعہ روز جزا، خاتون

۱۔ وسائل الشیعہ، جلد ۱۵، صفحہ ۲۲۷

۲۔ فروع کافی، جلد ۶، ص ۶

۳۔ وسائل الشیعہ (آل البیت)، حُر عاملی، جلد ۲۱، صفحہ ۳۶۲

جنت، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جب اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوتیں پیغمبرؐ ان کی تعظیم کے لئے اٹھتے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے تھے۔ اس طرح پوری دنیا کو آپ نے یہ پیغام دے دیا کہ دیکھو میری نظر میں بیٹی کی کیا اہمیت ہے اور پھر بیٹی جب فاطمہ بتول عذراء جیسی ہو تو اس کی تعظیم و احترام تو معمولات پیغمبر کا حصہ ہونا ہی چاہیئے۔

قریبی رشتوں کے لحاظ سے صنف نسواں کو جن درجات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہیں۔ پہلی منزل میں وہ کسی کی بیٹی ہوتی ہے اور بیٹی کے سلسلے میں اسلام کے کیا تعلیمات ہیں وہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ دوسری منزل میں خاتون کسی کی بہن ہوتی ہے اور بہنوں کی پرورش و نگہداشت کے سلسلے میں روایت گزر چکی ہے۔ یہ بہن ہی کا رشتہ تھا کہ جس نے تاریخ اسلام کو کربلا کے سائے میں بہت کچھ دیا ہے۔ میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کے بعد جو اہم ترین شخصیت تھی وہ حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی تھی جو امام حسینؑ کی بہن تھیں جن کو ثانی زہرا اور شریکۃ الحسینؑ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ کربلا کو اگر امام حسینؑ نے سنبھالا تو واقعات کربلا کے بعد امام سجادؑ کے ساتھ جو کردار سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا ہے۔ ان کو بھی یہ خصوصیت حاصل تھی کہ جس طرح حضرت زہرا علیہا السلام کی آمد پر پیغمبرؐ اسلام ان کی بہت تعظیم فرماتے تھے اسی طرح حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی آمد پر حضرت امام حسینؑ تعظیماً اٹھتے اور دنیا کو رُتبۂ زینبؑ سے آگاہ فرماتے۔

یوں بھی بہن کا رشتہ ایک خصوصی رشتہ ہوتا ہے۔ ماں کے بعد اسی رشتہ میں سب سے زیادہ محبت و انسیت کی خو پائی جاتی ہے۔ حکایت ہے کہ شاہانِ گزشتہ میں کسی حکمراں کے یہاں تین مجرمین کو گرفتار کر کے لایا گیا اتفاق سے وہ تینوں ایک خاتون کے رشتہ دار تھے ایک بھائی تھا دوسرا شوہر تھا اور تیسرا اس کا بیٹا تھا۔ وہ خاتون فریادی بن کر بادشاہ کے پاس پہنچی اور ان تینوں کی رہائی کی درخواست کی۔ بادشاہ نے از راہ ترحم یہ کہا کہ جرائم شدید ہیں تینوں کو نہیں رہا کیا جاسکتا ہاں ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو اسے میں رہا کردوں گا۔ اس خاتون نے مجرمین میں سے ایک شخص کا انتخاب کیا جو اس کا بھائی تھا۔ بادشاہ نے وجہِ انتخاب پوچھی تو اس نے جواب دیا اگر میرا شوہر نہ رہا تو میں جوان ہوں دوسرا شوہر مجھے مل سکتا ہے، اور اگر شوہر ہو تو دوسرے بیٹے کے بھی امکانات ہیں لیکن میرے والدین اس دنیا میں ہیں نہیں اور ان کی واپسی ناممکن ہے لہٰذا اگر بھائی نہ رہا تو کوئی دوسرا بھائی مجھے نہیں مل سکتا۔

تیسرے مرحلے میں بیوی کا رشتہ ہوتا ہے۔ زوجہ کے سلسلے میں اسلام میں جو حقوق متعین کئے گئے ہیں وہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں منفرد ہیں۔ دنیاوی زندگی میں سب سے قیمتی دولت سکون کی دولت ہوا کرتی ہے قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تم ہی میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے کہ اس میں صاحبانِ فکر کے لئے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں[۱]۔

اب اگر اس رشتہ میں سکون کا فقدان ہو تو ایسا یا تو شوہر کی زیادتیوں یا بیوی کی سرتابیوں کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے اخلاقی تعلیمات میں بیوی کے حقوق بہت زیادہ ہیں۔ امام زین العابدینؑ بیوی کے حقوق کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَ أَمَّا حَقُّ رَعِيَّتِكَ بِمِلْكِ النِّكَاحِ فَأَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ جَعَلَهَا سَكَناً وَ مُسْتَرَاحاً وَ أُنْساً وَ وَاقِيَةً وَكَذٰلِكَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمَا يَجِبُ أَنْ يَحْمَدَ اللّٰهَ عَلَى صَاحِبِهِ وَيَعْلَمَ أَنَّ ذٰلِكَ نِعْمَةٌ مِنْهُ عَلَيْهِ وَ وَجَبَ أَنْ يُحْسِنَ صُحْبَةَ نِعْمَةِ اللّٰهِ وَيُكْرِمَهَا وَيَرْفَقَ بِهَا وَإِنْ كَانَ حَقُّكَ عَلَيْهَا أَغْلَظَ وَ طَاعَتُكَ بِهَا أَلْزَمَ فِيمَا أَحْبَبْتَ وَ كَرِهْتَ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً فَإِنَّ لَهَا حَقُّ الرَّحْمَةِ وَ الْمُؤَانَسَةِ وَ مَوْضِعُ السُّكُونِ إِلَيْهَا قَضَاءُ اللَّذَّةِ الَّتِي لَا بُدَّ مِنْ قَضَائِهَا وَ ذٰلِكَ عَظِيمٌ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ۔ فَانَّ لَهَا عَلَيْكَ أَنْ تَرْحَمَهَا لأَنَّهَا أَسِيرُكَ وَ تُطْعِمُهَا وَ تَكْسُوهَا، فَإِذَا جَهِلَتْ عَفَوْتَ عَنْهَا۔

بیوی کے سلسلے میں نکاح کے ذریعہ جو حق تمہارے اوپر مسلم ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ اسے خدا نے تمہارے لئے باعث سکون و آرام اور مونس و انیس اور نگہبان قرار دیا ہے۔ اسی طرح تم دونوں پر یہ فرض ہے کہ اپنے شریک حیات کے وجود پر خدا کا شکر ادا کرو اور وہ یہ جان لے کہ یہ خدا کی نعمت ہے جو اس نے اسے عطا کی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کی نعمت کی قدر کرے اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اگرچہ تمہاری شریک حیات پر تمہارا حق زیادہ سخت ہے اور جو تم پسند کرتے ہو اور جو پسند نہیں کرتے اس میں اس پر تمہاری طاعت زیادہ لازم ہے۔ بس اس میں گناہ نہ ہو۔ لیکن اس کا بھی تم پر یہ حق ہے کہ تم

۱۔ سورہ روم، آیت ۲۱

اس کے ساتھ نرمی و محبت سے پیش آؤ اور وہ بھی اس لذت اندوزی کے لئے تمہارے لئے مرکز سکون ہے کہ جس سے مفر نہیں ہے اور یہ بجائے خود بہت بڑا حق ہے اور خدا کے علاوہ کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ تم اس کے ساتھ نرمی و محبت سے پیش آؤ کہ وہ تمہاری اسیر ہے اسے کھانا کھلاؤ کپڑا پہناؤ اور اگر اس سے نادانی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے معاف کر دو[۱]۔

اسلام میں یہ اجازت نہیں ہے کہ خانگی امور میں عورت پر کوئی زیادتی کی جائے یا اس پر محنت و مشقت کا بار ڈال دیا جائے۔ اپنی مرضی سے جو وہ کرے اس کا کیا کہنا لیکن شوہر اپنی خدمت کے لئے اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔ البتہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳۴ میں جن حالات میں عورت پر سختی کا حکم ہے وہ غیر معمولی حالات ہیں۔ پھر بھی ایسی سختی نہ ہو کہ جس سے عورت کو کوئی جسمانی نقصان پہنچ جائے۔ عورت پر سختی خانگی امور میں عدم تعاون یا سستی پر نہیں ہوگی بلکہ ترک واجب یا حرام پر عمل کرنے میں انتہائی جسور ہو جانے کی وجہ سے یا بیوی کی حیثیت سے اس پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان میں بلاسبب عدم تعاون کی وجہ سے مذکورہ سختی ہوگی، وہ بھی دو مرحلوں کے گزر جانے کے بعد میں جس میں نرمی سے سمجھانے بجھانے اور راہ راست پر لانے کا اشارہ ہے اور دنیا کا کوئی بھی قانون کسی کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ قانون شکنی کرے اگر ایسا وہ کرتا ہے تو اس کی سزا کے پیمانے مقرر ہیں چاہے وہ جرم کرنے والا مرد ہو یا کوئی عورت۔ در اصل یہ نظام کو چست و درست رکھنے کا ایک مرحلہ ہے جس سے چشم پوشی مسائل کو ختم نہیں کرتی ہے بلکہ مسائل پیدا کر دیتی ہے۔

بیوی سے حسن سلوک کے سلسلے میں ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت ہمارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے بالخصوص امیر المومنین حضرت علیؑ کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ گھر کے کاموں میں حضرت سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا ہاتھ بٹاتے اور دعائے پیغمبرؐ کے حقدار بنتے۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات تاریخ کا حصہ ہیں جن کا تذکرہ مضمون کو طولانی بنادے گا۔

رشتوں میں سب سے معتبر رشتہ ماں کا ہوتا ہے۔ اس رشتہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام خاتم الانبیاءؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو جس خصوصی لقب سے نوازا وہ تھا "ام ابیھا" یعنی اپنے باپ کی ماں کا درجہ رکھنے والی۔ بزرگوں کے رشتوں میں باپ کی نسبت سے پھوپھیوں کا رشتہ ہوتا ہے جس کے سلسلے میں روایت گزر چکی ہے کہ جو دو پھوپھیوں کا بار زندگی اٹھائے یہ عمل اسے دوزخ کی آگ

۱۔ رسالہ حقوق امام زین العابدینؑ، ترجمہ مولانا محمد حسنین باقری، ص ۲۵

سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس میں بھی عمل معصومینؑ رہنما ہے۔ بالخصوص امام زین العابدینؑ کا اپنی پھوپھی حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے سلسلے میں بے حد احترامی رویہ اسلام میں اس رشتہ اور جناب زینبؑ کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد قدم قدم پر امام زین العابدینؑ پیش آنے والے مسائل میں جناب زینب کی طرف رجوع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ماں کی نسبت سے خالاؤں کا رشتہ ہوتا ہےاس کے بارے میں بھی روایت گزر چکی ہے۔

ایک انتہائی گنہگار شخص خدمت پیغمبرؐ میں حاضر ہوا اپنے ایک شدید ترین جرم کا اعتراف کیا اور عرض کیا کہ کیا اس کا کوئی جبران ہے۔ پیغمبرؐ نے پوچھا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تمہاری خالہ ہے؟۔ اس نے جواب دیا ہاں خالہ زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا خالہ مثل ماں کے ہے۔ جاؤ اس سے حسن سلوک کرو تاکہ تمہارے اس شدید ترین جرم کا کچھ جبران ہو جائے۔[1]

ارشاد گرامی الٰہی ہے :

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔

اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے بارے میں وصیت کی ہے کہ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ سہہ کر اسے پیٹ میں رکھا ہے اور اس کی دودھ بڑھائی بھی دو سال میں ہوئی ہے کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کہ تم سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے[2] ۔

اس آیت کریمہ میں وصیت ماں باپ دونوں کے لئے ہے لیکن ماں کا تذکرہ خصوصی طور پر ہے وہ بھی اس کی زحمت کے حوالے سے جو اس نے رنج پر رنج جھیلنے کے بعد انسان کو اپنے شکم میں اٹھایا۔ ماں کے سلسلے میں بھی امام زین العابدین علیہ السلام کا قیمتی ارشاد گرامی اس طرح ہے :

فَحَقُّ أُمِّكَ فَأَنْ تَعْلَمَ أَنَّهَا حَمَلَتْكَ حَيْثُ لَا يَحْمِلُ أَحَدٌ أَحَداً وَ أَطْعَمَتْكَ مِنْ ثَمَرَةِ قَلْبِهَا مَا لَا يُطْعِمُ أَحَدٌ أَحَداً وَ أَنَّهَا وَقَتْكَ بِسَمْعِهَا وَ بَصَرِهَا وَ يَدِهَا وَ رِجْلِهَا وَ شَعْرِهَا وَ بَشَرِهَا وَ جَمِيعِ جَوَارِحِهَا مُسْتَبْشِرَةً بِذَلِكَ فَرِحَةً مُوَابِلَةً مُحْتَمِلَةً لِمَا فِيهِ مَكْرُوهُهَا وَ أَلَمُهَا وَ ثِقْلُهَا وَ غَمُّهَا حَتَّى دَفَعَتْهَا عَنْكَ يَدُ الْقُدْرَةِ وَ أَخْرَجَتْكَ إِلَى الْأَرْضِ فَرَضِيَتْ أَنْ

۱۔ دیکھئے سفینۃ البحار، شیخ عباس قمی ۲۔ سورہ لقمان، آیت ۱۴

تَشْبَعَ وَ تَجُوعَ هِيَ وَ تَكْسُوكَ وَ تَعْرَى وَ تُرْوِيكَ وَ تَظْمَأُ وَ تُظِلُّكَ وَ تَضْحَى وَ تُنَعِّمَكَ بِبُؤْسِهَا وَ تُلَذِّذَكَ بِالنَّوْمِ بِأَرَقِهَا وَ كَانَ بَطْنُهَا لَكَ وِعَاءً وَ حَجْرُهَا لَكَ حِوَاءً وَ ثَدْيُهَا لَكَ سِقَاءً وَ نَفْسُهَا لَكَ وِقَاءً تُبَاشِرُ حَرَّ الدُّنْيَا وَ بَرْدَهَا لَكَ وَ دُونَكَ فَتَشْكُرُهَا عَلَى قَدْرِ ذَلِكَ وَ لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا بِعَوْنِ اللهِ وَ تَوْفِيقِهِ۔[1]

ترجمہ: تم پر تمہاری ماں کا حق یہ ہے کہ تم کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ تمہیں ایک مدت تک (شکم میں) اس طرح اٹھائے رہی کہ اس طرح کوئی کسی کو نہیں اٹھاتا ہے۔ (یعنی تقریباً نو ماہ تک تمہارے حمل کو اپنے شکم میں رکھا) اور اپنے میوۂ دل دودھ سے تمہیں اس طرح شکم سیر کیا کہ کوئی کسی کو اس طرح شکم سیر نہیں کرتا۔ اپنے کان، آنکھ، ہاتھ، پیر، بال، کھال، بلکہ اپنے تمام اعضاء وجوارح کے ساتھ خوشی خوشی تمہارا وزن اٹھائے پھرتی رہی۔ اگر چہ اس کی وجہ سے مسلسل زحمتوں اور تکلیفوں اور مشکلوں میں مبتلا رہی، یہاں تک کہ دست قدرت نے تمہیں اس سے جدا کر دیا اور تمہیں زمین پر اتار دیا تب بھی اس نے تمہیں شکم سیر کیا خود بھوکی رہی، تمہیں لباس پہنایا خود بے لباس رہی، تمہیں سیراب کیا خود پیاسی رہی، خود دھوپ کی شدت میں رہی تمہیں سایہ میں رکھا۔ اس کی بے چینیوں کے سائے میں تم نے آرام پایا، خود بیدار رہی تمہیں سلایا، اس کا شکم تمہارا مسکن، اور اس کا گھر تمہاری حفاظت کا محل تھا اس کے پستان تمہارے دودھ پینے کے لئے چشمہ اور اس کا نفس تمہارا نگہبان تھا تمہارے لئے اس نے سردی و گرمی کو برداشت کیا اس کی ان زحمتوں اور تکلیفوں کا شکریہ ادا کرو لیکن تم خدا کی مدد و توفیق کے بغیر اپنی ماں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔

ماں کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے مرتبہ و احترام کے سلسلے میں احادیث و روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ ماں کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں کوئی مذہب و ملت کی بھی قید نہیں رکھی گئی ہے۔

زکریا بن ابراہیم سے روایت ہے کہ میں عیسائی تھا، اسلام لایا حج کے لئے گیا۔ حج کی واپسی پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن میرا خانوادہ عیسائی مذہب ہی پر ہے۔ میرے ماں باپ بھی موجود ہیں اور ماں نابینا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنے گھر والوں سے رابطہ رکھوں؟

۱۔ رسالۂ حقوق امام زین العابدینؑ

امامؑ نے پوچھاوہ سور کا گوشت تونہیں کھاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ امامؑ نے فرمایا ان کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ نیکی واحسان کرو۔ اور جب اس کی مدت حیات تمام ہو جائے اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو تو اس کے دفن و کفن کی ذمہ داری لو۔ میں جب سفر سے آیا تو حکم امامؑ کی روشنی میں اپنی ماں سے بہت لطف و مہربانی سے پیش آنے لگا اسے میں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا۔ اس کا لباس درست کرتا اس کے سر میں کنگھی کرتا اور اس کی خدمت میں مشغول رہتا۔

میری ماں نے جب یہ تبدیلی دیکھی تو پوچھا کہ جب تک تم میرے مذہب پر تھے تمہارا یہ سلوک نہیں تھا۔ کیا سبب ہوا کہ اسلام لانے کے بعد تم مجھ سے اس لطف و مہربانی سے پیش آنے لگے؟ میں نے کہا پیغمبرؐ کے فرزندوں میں سے ایک نے مجھے یہ تعلیم دی ہے کہ ایسا کیا کروں۔ ماں نے کہا کیا وہ بھی تمہارے پیغمبرؐ ہیں؟ میں نے کہا نہیں، ہمارے پیغمبرؐ کے بعد کوئی دوسرا پیغمبرؐ مبعوث نہیں ہوا۔ وہ ہمارے پیغمبرؐ کے فرزند ہیں۔ ماں نے کہا یہ طریقے تو پیغمبروں کے ہوتے ہیں۔ تمہارا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ میری رہنمائی کرو تا کہ میں بھی دین اسلام قبول کرلوں۔ میں نے اسے ضروریات دین بتائے اور وہ مسلمان ہوگئی اس نے ظہر و عصر، مغرب عشاء کی نماز پڑھی نصف شب کو اس کی طبیعت خراب ہوئی۔ میں اس کے بستر کے کنارے تیمارداری میں مصروف رہا۔ اس نے کہا میرے عزیز فرزند ذرا اعتقادات اسلامی کو پھر دہراؤ میں نے انہیں دہرایا۔ اس نے ان کا اقرار کیا اور اسی رات کو اس نے دنیا سے آنکھیں پھیر لیں۔ کچھ مسلمانوں کی مدد سے اسلامی رسوم کے مطابق اس کا جنازہ اٹھایا اس پر نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیا۔[1]

مغرب مساوات کی تو بات کرتا ہے لیکن اس نے عورت کی تضحیک و توہین کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے عورت کی عزت و احترام میں اور اس کے حقوق میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ اسلام نے عورت کی جسمانی اور ذہنی ساخت کو پیش نظر رکھ کر اس پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں جو عین انصاف ہے۔ اسلام نے میراث میں عورت کا حق قرار دیا ہے۔ چونکہ اُسے دوسرے گھر جانا ہوتا ہے لہٰذا لڑکے کے مقابلے میں لڑکی کا حصہ میراث میں اکہرا ہے۔ اسی طرح محرم و نامحرم کے مسائل، حجاب کے ذریعہ عورت کو ان بد نگاہوں سے محفوظ رکھا گیا ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری سے عاری ہوتے ہیں اور شہوانی جذبات ان پر غالب ہوتے ہیں۔

۱۔ رتبہ والدین، صفحہ ۲۰ تا ۲۲۔ بحوالہ اصول کافی، شیخ محمد ابن یعقوب کلینی و بحار الانوار، علامہ محمد باقر مجلسی

ارشاد الٰہی ہے:

یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

ترجمہ: اے پیغمبرؐ! آپ اپنی بیویوں، نسبی یا پروردہ بیٹیوں، اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادر کو (گردانی باندھ کے) اپنے اوپر لٹکائے رہا کریں کہ یہ طریقہ ان کی شناخت یا شرافت سے قریب تر ہے اور اس طرح ان کو اذیت نہ دی جائے گی اور خدا بہت بخشنے والا اور مہربان ہے[1]۔

اسلام میں پابندی صرف عورتوں ہی پر نہیں مردوں پر بھی عائد ہے۔ اس سلسلے میں طریقہ کار کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد الٰہی ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ؛ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

ترجمہ: اور اے پیغمبرؐ! آپ مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہی زیادہ پاکیزہ بات ہے اور بیشک اللہ ان کے اعمال سے خوب باخبر ہے اور مومنات سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں علاوہ اس کے جو از خود ظاہر ہے اور اپنے دوپٹہ کو اپنے گریبان پر (گردانی باندھ کر) اپنے گریبانوں (سینوں) پر رکھیں اور اپنی زینت کو اپنے باپ دادا، شوہر، شوہر کے باپ دادا، اپنی اولاد، اور اپنے شوہر کی اولاد، اپنے بھائی اور بھائیوں کی اولاد اور بہنوں کی اولاد اور اپنی عورتوں اور اپنی کنیزوں اور گھر کے نوکر چاکر جو صورتاً تو مرد

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۵۹

ہیں (لیکن زیادتی سن کی وجہ سے عورتوں سے رغبت نہیں رکھتے) اور وہ بچّے جو عورتوں کے پردے کے موضوع ہی سے ناواقف ہوں ان سب کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کریں اور خبردار اپنے پاؤں پٹک کر نہ چلیں کہ جس زینت (پاؤں کے زیور) کو چھپائے ہوئے ہیں اس کا اظہار ہوجائے اور صاحبانِ ایمان تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہو کہ شاید اسی طرح تمہیں فلاح اور نجات حاصل ہوجائے[۱]۔

عریانی، فحاشی اور بے حجابی کی تہذیب نے اخلاقی دنیا میں جو ہلچل مچار کھی ہے اس کا حل صرف اور صرف الٰہی مذہب دین اسلام کے تعلیمات میں ہے۔ اسلامی تہذیب ہی عورت کے حقوق اور اس کی عزت و حرمت کی پاسداری کا فریضہ انجام دیتی رہی ہے اور آئندہ بھی دے سکتی ہے، مغرب زدہ افکار اسے مانے یا نہ مانے لیکن "ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں"۔

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- فروغ ابدیت، جعفر سبحانی
- فروع کافی، شیخ کلینی
- وسائل الشیعہ، شیخ حر عاملی
- رسالہ حقوق امام زین العابدین، ترجمہ مولانا حسنین باقری
- سفینہ البحار، شیخ عباس قمی
- بحار الانوار، علامہ مجلسی

۱۔ سورہ نور، آیت ۳۰ و ۳۱

اسلام اور عورت کا مرتبہ

مولانا سید اطہر عباس رضوی

خداوند عالم نے روئے زمین پر سلسلۂ بشریت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے سب سے پہلے آدم و حوا کو اپنی قدرت کاملہ سے خلق فرمایا اور چونکہ دونوں کا مادۂ تخلیق ایک ہے اس لئے خلقت اور مادّۂ خلقت کے اعتبار سے دونوں مساوی اور برابر ہیں؛ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و برتری نہیں ہے۔ مقامِ تخلیق میں خالقِ کائنات نے پہلے جناب آدم کو خلق فرمایا اور پھر جناب حوّا کو جنابِ آدمؑ کی باقیماندہ مٹی سے خلق فرمایا اور چونکہ پروردگار عالم کو سلسلۂ بشریت کو تاقیامت قائم اور باقی رکھنا تھا اس لئے ان دونوں کو استمرار وافزائش نسل کا وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا۔

جناب آدم و حوا کے بعد جناب عیسیٰ کے علاوہ سارے انسان ماں اور باپ سے اس دنیا میں آئے ہیں؛ یہ فقط جناب عیسیٰؑ کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ صرف جناب مریم ؑ کے ذریعے سے اس دنیا میں آئے ہیں۔ یہ امر عورت کی عظمت کی واضح دلیل ہے کہ خداوند عالم نے جناب عیسیٰؑ کو باپ کے بغیر صرف ماں کے توسط سے پیدا کیا ہے تاکہ دونوں کو اپنی آیت اور نشانی قرار دے۔ نسل انسانی کی بقاء اور استمرار وافزائش کے لئے خداوند عالم نے عورت کو ظرف تخلیق قرار دیا اور اس طرح سے نسل انسانی کی پرورش و تربیت کی ذمہ داری صنف نسواں کے عنوان سے عورت کے سپرد کی؛ اس لحاظ سے عورت ہمیشہ علماء اور دانشوروں کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ یہ بات ممکن نہیں کہ تاریخ میں انسان کی بات ہو اور عورت کی بات نہ ہو۔ پوری تاریخ میں عورت مرد کے شانہ بہ شانہ زندگی کے نشیب و فراز اور اس کی تعمیر میں پیش پیش رہی ہے۔ کبھی بلاواسطہ اور کبھی بالواسطہ یعنی مردوں کی ترغیب و تشویق سے اور ان کے اندر ضروری محرکات کو جنم دے کر عورت نے تاریخ انسانی میں اپنا مؤثر کردار ادا کیا ہے لیکن اس کے باوجود عرصۂ دراز سے تعصب اور غیر منصفانہ فیصلوں کا شکار رہی ہے۔ بہت سارے دانشوروں اور ماہرین نے شعوری یا لاشعوری طور پر معاشرۂ انسانی میں عورت کے حقیقی اور مؤثر کردار کو نظر انداز کیا ہے اور اس کو فقط اور فقط تولید نسل اور اطفاء شہوت کا وسیلہ سمجھا ہے جو کسی بھی طرح درست نہیں ہے اور سراسر اسلامی اصول و مبانی کے خلاف ہے۔

نظام خلقت میں عورت کی شرافت اور اس کی انسانی منزلت وحیثیت کو روشن کرنے میں قرآن کریم کے نقطۂ نظر کی تحقیق کا ہم اس مختصر مقالہ میں جائزہ لینے کی کوشش کررہے ہیں۔

سورۂ نساء کی ابتدائی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔

یہ آیت جس کے مخاطب سارے انسان ہیں اس میں خداوند عالم سب کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کے بعد اپنی صفت خالقیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وہی پروردگار جس نے تم کو ایک نفس سے خلق کیا ہے اور اس کی بیوی کو بھی اسی نفس اور ماہیت سے خلق کیا ہے اور ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو خلق کیا۔

یہ آیت جو انسان کی خلقت وبنیاد آفرینش اور نسل انسانی کی طرف اشارہ کرتی ہے، تصریح کررہی ہے کہ سارے انسان نفسِ واحد سے پیدا ہوئے ہیں۔ مرحوم طبرسی کے بقول اس آیت میں نفس سے مراد باجماع مفسرین حضرت آدمؑ ہیں۔[1] اس آیت کا اگلا حصہ بھی اس حقیقت کی طرف بہترین قرینہ ہے کیونکہ ارشاد ہوتا ہے کہ اس نفس کی ہمسر کو اس کی جنس سے پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفس واحدہ سے مراد آدمؑ ہیں کہ خدا نے آدم اور ان کی ہمسر حوا کو نسل انسانی کی بقاء اور استمرار وافزائش کا وسیلہ قرار دیا۔

یہاں پر اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ اس آیت میں ہر چند مصداق نفسِ واحدہ میں آدمؑ ہیں لیکن استعمال لفظِ نفس اور پوری خلقت کا اس نفس کی جانب انتساب حقیقت میں دوسرے نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سارے لوگوں کا سرچشمہ [مرد ہو کہ عورت] ایک ہے اور ان کے گوہر آفرینش کی بازگشت ایک گوہر اور ایک نفس کی طرف ہوتی ہے۔

۱۔ مجمع البیان، ج۳، ص۸، فخر رازی کا بھی قول ہے: اجمع المسلمون علی ان المراد بالنفس الواحدہ ھیھنا ھو آدم علیہ السلام الا انہ انث الوصف علی لفظ النفس (تفسیر کبیر، ج۹، ص۱۶۰)

لفظِ نفس علامہ طباطبائی کے بقول وہ چیز ہے جو قوام انسانیت ہے اور انسان کی انسانیت اس سے وابستہ اور اس پر موقوف ہے اور اس سے مراد دنیا میں وہ آدمی ہے جو جسم وروح کا مجموعہ ہے اور آخرت میں تنہا روح ہے۔[۱]

بہرحال تمام افراد بشر کا سرچشمہ حضرت آدمؑ ہیں اور جس طینت سے خدا نے آدمؑ کو پیدا کیا ہے بقیہ ابناء بشر کو بھی اسی طینت سے خلق کیا ہے۔ خواہ مرد خواہ زن، سب کی خلقت ایک طینت سے ہوئی ہے اسی لئے سب کو بنی آدم کہا جاتا ہے۔

آیت کا اگلا حصّہ "وخلق منها زوجها" اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آدمؑ کی زوجہ خود آدمؑ کی ماہیت اور جنس سے ہیں اور دونوں ایک حقیقت سے بہرہ مند ہیں۔ بنابرایں، آدمؑ کا جوڑا خود ان کی اپنی طینت اور سرشت سے ہے۔

علامہ طباطبائی کے بقول اس آیت میں مِن نشویہ ہے یعنی کسی چیز کی نشو ونما کو بیان کرتا ہے، تبعیض کے لئے نہیں ہے۔ یعنی آدمؑ کا جوڑا اسی کی نوع سے ہے اور دونوں ایک جیسے ہیں اور اس بات کی تائید وتصدیق قرآن کی دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا۔

ترجمہ: اور خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہاری سرشت اور تمہاری نوع سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں تاکہ ان کے پہلو میں تمہیں سکون واطمینان کی دولت نصیب ہو۔[۲]

آیت آگے کہتی ہے: وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔ خداوند متعال نے آدمؑ اور حوّا سے بے شمار مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا۔ یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ نسل انسانی اور تمام بنی نوع انسان کا منبع اور سرچشمہ جناب آدمؑ اور جناب حوّا ہیں اور سارے انسان ایک مرد وعورت سے وجود میں آئے ہیں اور نسل انسانی کی افزائش اور استمرار میں دونوں کا یکساں کردار ہے۔ مرد کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو اس کو جاننا چاہئے کہ اس کا منبع وسرچشمہ ایک مرد اور ایک عورت ہے؛ لہٰذا اگر مرد انسانی ماہیت سے بہرہ مند ہے تو یہ مرد اور عورت کے اختلاط کا نتیجہ ہے کہ دونوں ایک ماہیت سے سرافراز ہیں اور ان دونوں کی انسانی ماہیت سے بہت سارے انسان [خواہ مرد خواہ عورت] معرض وجود میں آئے ہیں۔ حقیقت میں قرآن زوجہ آدمؑ جناب حوّاؑ کی خلقت کو اسی گوہر اور حقیقت سے قلمداد کرتا ہے جس سے جناب آدمؑ کی خلقت ہوئی ہے۔

۱۔ المیزان، ج۴، ص ۱۳۵

۲۔ سورہ روم، آیت ۲۱ (سورہ نحل کی آیت ۷۲ اور سورہ شوری کی آیت ۱۱ بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہے۔)

اسلام میں عورت کا مرتبہ

جس وقت عورت کی سماج اور معاشرے میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی اور پوری دنیا میں اس کی ایک جنسی متاع کے عنوان سے خرید و فروخت ہو رہی تھی؛ اسلام نے اس کو ایک خوشبو دار پھول کے عنوان سے متعارف کرایا[1]۔ عورت کا مرتبہ اور وقار اس درجہ بلند کیا کہ اس کو امانتِ خدا کے عنوان سے سر افراز کیا۔[2]

آج کی دنیا میں عورتوں کے تعلّق سے تشدد و بد سلوکی اور کج خلقی و بد رفتاری ایک معمول کی سی بات ہے جبکہ اسلام نے عورتوں کی محبت کو معیارِ ایمان قرار دیا ہے[3] اور عورتوں کے تعلق سے خشونت و بد سلوکی کو روکنے کے لئے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر کوئی عورت پر ظلم و ستم روا رکھے گا تو اس ظالم کو خداوند عالم بروز قیامت ستّر گنا سزا دے گا۔[4]

قرآن اور صدر اسلام کے مسلمانوں کا موقف اس حقیقت کا گواہ ہے کہ زندگی میں عورت کا وجود مرد کے بقدر حیاتی ہے؛ اس کا درجہ نہ مرد سے کسی طرح کم ہے اور نہ حقیر و پست اور معمولی شمار ہوتی ہے۔ اگر بیگانہ تمدّنوں اور تہذیبوں کے اثرات نہ ہوتے تو مسلمانوں کے درمیان کبھی اس طرح کا سوال نہ اٹھتا۔ عورت اور مرد کے مرتبہ کا مساوی اور برابر ہونا سب کے نزدیک مسلم تھا؛ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَ الْمُسْلِمَاتِ وَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْقَٰنِتِينَ وَ الْقَٰنِتَاتِ وَ الصَّٰدِقِينَ وَ الصَّٰدِقَاتِ وَ الصَّابِرِينَ وَ الصَّٰبِرَاتِ وَ الْخَٰشِعِينَ وَ الْخَٰشِعَاتِ وَ الْمُتَصَدِّقِينَ وَ الْمُتَصَدِّقَاتِ وَ الصَّائِمِينَ وَ الصَّائِمَاتِ وَ الْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَ الْحَافِظَاتِ وَ الذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَ الذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَّ أَجْرًا عَظِيمًا۔

ترجمہ: یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، صاحب ایمان مرد اور صاحب ایمان عورتیں، اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، خاضع و خاشع مرد اور خاضع و خاشع عورتیں، انفاق کرنے والے مرد اور انفاق کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، پاکدامن مرد اور پاکدامن عورتیں اور بکثرت یاد خدا کرنے والے مرد اور بکثرت یاد خدا کرنے والی عورتیں، خدا نے ان سب

۱۔ نوادر راوندی، (ترجمہ اُردستانی)، ج۱، ص ۱۷۲
۲۔ تفسیر برہان، ج ۳، ص ۳۴۷
۳۔ بحار الانوار، ج ۱۰۰، ص ۲۲۸
۴۔ مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۲۵۰

کے لئے مغفرت اور اجر عظیم مہیا کیا ہے[1]۔

ان آیات سے بخوبی روشن ہوتا ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے پہلو میں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں۔خداوند عالم نے دونوں کے لئے بغیر کسی فرق کے یکساں اجر و پاداش کا وعدہ کیا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَوٰةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ۔

ترجمہ: مرد و عورت میں سے جو بھی صاحب ایمان ہو اور عمل صالح انجام دے ،اس کو ہم پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے اعمال سے بہتر انھیں اجر و ثواب عطا کریں گے[2]۔

اس آیت میں حیات طیبہ کا معیار صنفی اختلاف یا رتبۂ اجتماعی نہیں ہے بلکہ حقیقی معیار ایمان اور عمل صالح ہے۔جو لوگ عورت کو مرد سے کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں، یہ آیت ان کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اسلام کوئی مرد محور دین نہیں ہے ؛بلکہ اگر صراط مستقیم پر گامزن ہوں تو دونوں یکساں طور پر حیات طیبہ سے بہرہ مند ہوں گے اور اجر و ثواب الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔

اے لوگوں ہم نے تم سب کو مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قوم و قبیلہ میں تقسیم کر دیا تا کہ جان لو کہ اصل و نژاد مایۂ افتخار نہیں ہے،خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرّم وہی ہے جو سب سے زیادہ با تقویٰ ہو۔خدا لوگوں کے اچھے اور برے اعمال سے خوب واقف ہے[3]۔

اس آیت میں بھی مرد اور عورت دونوں کو ایک ردیف میں قرار دیا گیا ہے اور خدا نے اجر و ثواب کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں رکھا۔تمام ظاہری اور مادّی امتیازات پر خط کھینچتے ہوئے معیار فضیلت تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مرد و عورت دونوں فطرت خدا شناسی ،اکتساب معرفت ، قرب خداوندی تک پہونچنے اور دوسری تمام صلاحیتوں میں یکساں ہیں اور انسانیت کے درجہ کمال پر فائز ہونے کی یکساں طور پر صلاحیت و قابلیت رکھتے ہیں۔

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۳۵
۲۔ سورہ نحل، آیت ۹۷
۳۔ سورہ حجرات، آیت ۱۳

اسلام میں بحیثیت ماں، عورت کا مرتبہ

عورتوں کی ایک نمایاں خصوصیت جو انھیں رحمانی اور انسانی رنگ و بو عطا کرتی ہے ،مادری شان و شوکت ہے۔خداوند متعال اس تعلق سے فرماتا ہے :

وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسانَ بِوالِدَيْهِ إِحْساناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً وَ وَضَعَتْهُ كُرْهاً وَ حَمْلُهُ وَ فِصالُهُ ثَلاثُونَ شَهْراً ...۔[1]

ترجمہ : ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرے،اس کی ماں اس کو بے سکونی اور بے چینی کے ساتھ نو مہینہ اپنے شکم میں رکھتی ہے اور پھر اسی بے چینی اور ناآرامی کے ساتھ وضع حمل کی منزل سے گزرتی ہے اور اس کی مدّت حمل و فصال تیس ماہ ہے۔

اس آیت میں ماں کے حقوق کی معرفت کے حوالہ سے تین بنیادی محور پر توجہ مبذول کرائی گئی ہے :

۱۔ دوران حمل : قرآن کریم اس آیت میں دوران حمل ماں کی تکالیف اور پریشانیوں کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے : حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً

۲۔ وضع حمل کی ہولناک سختیوں کو بیان کرتا ہے کہ اس مرحلے میں ماں جس درد و کرب سے گزرتی ہے کوئی دوسرا اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا : وَضَعَتْهُ كُرْهاً

۳۔ مدّت رضاعت کہ اس مدّت میں بھی ماں کو طاقت فرسا مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔خالق کائنات نے ماں کے مقام و مرتبہ کی تجلیل و تکریم کی غرض سے خود اس موضوع کو بیان کیا ہے تا کہ ماں کی یہ خدمات نذر تغافل نہ ہو جائیں۔

غیر اسلامی معاشروں میں آخر کی دہائیوں میں رائج نقطہ ہائے نظر نے بحیثیت ماں، عورت کے مقام و مرتبہ کو اتنا گرادیا ہے کہ ان کے یہاں ماں کی شان اور وقار کی رعایت رو بہ زوال نظر آتی ہے۔اس کے برعکس اسلامی نقطہ نگاہ سے بحیثیت ماں، عورت کا مقام و مرتبہ اتنا بلند و بالا اور مقدّس ہے کہ جنت کو ماں کے قدموں کے نیچے قرار دیا ہے ،وہ جنت جو ہر آدمی کا خواب ہے اور ہر انسان کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز و محور ہے[2]۔

۱۔سورہ احقاف،آیت ۱۵

۱۔ مجموعۂ کلمات قصار رسول مقبول، ص ۴۳۴

اسلام نے ماں کا وہ مرتبہ بیان کیا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی محبت، ماں کی محبت کی جگہ نہیں لے سکتی۔[۱]

ماں کے حقوق ایسے بیان کئے ہیں کہ انسان کی عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے۔ رسول گرامی اسلامؐ سے سوال ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! ماں کے حقوق کیا ہیں؟ فرمایا: اگر ریگ ہائے بیابان اور قطرات باران کے برابر ماں کی خدمت کرو تب بھی ماں کے شکم میں ایک دن رہنے کی برابری نہیں ہو سکتی ہے۔[۲]

غیر اسلامی حلقوں میں ماں کا احترام بس نام کا رہ گیا ہے اور ماں کی نافرمانی ایک عادت سی ہو گئی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اسلامی حلقوں میں ماں کا احترام مکمل طور سے ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے لیکن ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں اور بس نام کے مسلمان ہیں۔ ایک مرتبہ امام سجاد علیہ السلام سے پیشوائے اسلام کی حیثیت سے سوال ہوا: آپ جو کہ ماں کے تعلق سے صالح ترین مردم ہیں، اپنی ماں کے ساتھ ایک دستر خوان پر غذا کیوں تناول نہیں فرماتے؟ امام نے فرمایا: ڈرتا ہوں کہ میرا ہاتھ اس غذا کی طرف نہ بڑھ جائے جس پر مجھ سے پہلے میری ماں کی نظر پڑ چکی ہے اور میری ماں وہ غذا تناول کرنا چاہتی ہوں؛ اتنی سی نافرمانی کا خوف مجھے ان کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھنے سے مانع ہے۔[۳]

بحیثیت ماں عورت کا نگاہ قدرت میں وہ مقام و مرتبہ ہے کہ پروردگار عالم نے مقام اطاعت میں ماں کو باپ پر مقدم رکھا ہے؛ چنانچہ ایک مرتبہ رسول گرامی اسلامؐ سے کسی نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول اگر ماں باپ دونوں ایک ساتھ آواز دیں تو اولاد کس کی آواز پر پہلے لبیک کہے؟ فرمایا: ماں کی آواز پر لبیک کہے؛ راوی نے پھر دریافت کیا کہ اگر اس کے بعد بھی دونوں ایک ساتھ آواز دیں تو اس بار اولاد کس کی آواز پر لبیک کہے؟ فرمایا: ماں کی آواز پر لبیک کہے؛ راوی نے دریافت کیا اگر تیسری بار بھی ایسا ہو تو کس کی آواز پر لبیک کہے؟ فرمایا: ماں کی آواز پر لبیک کہے؛ راوی نے دریافت کیا اے اللہ کے رسولؐ اگر ایسا چوتھی بار بھی ہو تو اولاد کیا کرے؟ فرمایا: باپ کی آواز پر لبیک کہے۔ یہ ہے مقام اطاعت میں اسلام کے نزدیک ماں کا مرتبہ۔ بحیثیت ماں عورت کی ایسی تجلیل کسی بھی دین و مذہب میں نظر نہیں آتی۔

اسلام میں بحیثیت زوجہ، عورت کا مرتبہ

کسی بھی دین و مذہب اور قوم وملّت میں اسلام کے بقدر حقوقِ زوجہ کی نسبت تاکید نہیں کی گئی ہے۔ جس دنیا میں شوہروں کی طرف سے بیویوں پر ظلم و ستم کیا جاتا ہے اور انھیں طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیا جاتا ہے

۲۔ الکافی (ط۔الاسلامیہ)، ج۲، ص۴۰۹
۳۔ مستدرک الوسائل، ج۱۵، ص۲۰۳
۴۔ بحار الانوار (ط۔ بیروت)، ج۱۰۱، ص۹۳

، فقط دینِ اسلام ہے جو اس تعلق سے کہتا ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو طمانچہ لگائے گا تو بروز قیامت اس کو ستّر گنا عقوبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔[۱] یہ دین مبین اسلام ہے جو کہتا ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کے شہر میں ہو اور وہ بیوی کے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں سوئے اور رات بسر کرے تو یہ خلاف جوانمردی ہے[۲]۔

اسلام کہتا ہے کہ مرد کا اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیٹھنا خدا کے نزدیک مسجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھنے سے زیادہ محبوب ہے[۳]۔ اسلام ہی ہے جو امّت میں برتری کا معیار عورت کی محبت کو قرار دیتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امّت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کی نسبت تند خو، بدمزاج، اور متکبر نہ ہوں اور ان سے نرمی اور محبت کے ساتھ پیش آئیں اور ان کو اذیت و آزار نہ پہونچائیں[۴]۔

امام اوّل حضرت علی علیہ السلام نے مردوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ محبت و مدارات اور حسن معاشرت کی سفارش و تاکید کی ہے[۵]۔ یہ دین مبین اسلام ہے جو مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ اظہار محبت کا حکم دیتا ہے یعنی مرد کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی سے محبت کرے بلکہ اگر محبت کرتا ہے تو اس کا اظہار بھی کرے[۶]۔

اسلام کے علاوہ کسی دین و مذہب میں عورت کی ایسی تجلیل و تکریم دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔ اسی طرح حلال طریقے سے اپنی بیوی کی روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنا، اسلام کی نگاہ میں خدا کی راہ میں جہاد کا درجہ رکھتا ہے[۷]۔

اسلام میں بحیثیت دختر، عورت کا مرتبہ

جس معاشرے میں بیٹی ذلّت سمجھی جاتی تھی اور اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا یہاں تک کہ پیدائش کے بعد اس کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، اسلام ظہور کرتا ہے اور پیغمبر گرامی اسلامؐ اپنی بیٹی کے ہاتھوں کو چومتے ہیں اور بیٹی کی ولادت کو خوش قسمتی اور ماں کی خوبی کی علامت قرار دیتے ہیں[۸]۔ اس کو مایۂ رحمت و برکت سمجھتے ہیں اور گھر میں اس کے وجود کو فرشتوں کے نزول کا سبب جانتے ہیں[۹]۔ ماں، بیوی اور بیٹی کے تعلق سے جو مقام و مرتبہ اسلام نے عورت کو عطا کیا ہے ویسا رتبہ و درجہ دور عہدین اور دور حاضر میں کسی بھی مذہب و ملّت نے عورت کو عطا نہیں کیا۔

۱۔ مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۲۵۰
۲۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۵۵۵
۳۔ مجموعہ ورام، ج ۲، ص ۱۲۲
۴۔ مکارم الاخلاق، ص ۲۱۶
۵۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۵۵۶

۱۔ الکافی، ج ۵، ص ۵۶۹
۲۔ بحار الانوار، ج ۱۰۱، ص ۷۲
۳۔ ترجمہ جامع الاحادیث، ج ۲۶، ص ۶۵۹
۴۔ سابق حوالہ، ص ۶۵۱

اس دور اور سماج میں لڑکے کو لڑکی سے برتر سمجھا جاتا تھا؛ لیکن اسلام نے نہ صرف یہ کہ عورتوں کی پائمال شدہ شخصیت کو واپس کیا بلکہ اس سے بالاتر مقام و مرتبہ عطا کیا، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی عَلَی الإِنَاثِ اَرَقُّ مِنْہُ عَلَی الذُّکُورِ۔

ترجمہ: خداوند عالم مردوں کی نسبت عورتوں پر زیادہ مہربان ہے[۱]۔

اسی طرح ایک روایت میں باپ کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر اولاد کے لئے تحفہ و ہدیہ فراہم کرے تو لڑکیوں کو لڑکوں پر مقدّم رکھے کیونکہ جو شخص اپنی بیٹی کو خوش رکھتا ہے، اس شخص کے مانند ہے جو اولاد اسماعیل سے ایک غلام کو آزاد کرتا ہے[۲]۔ خلاصہ کلام کسی بھی دین و مذہب میں اسلام کے بقدر عورتوں کی شخصیت اور ان کے حقوق کا دفاع نہیں کیا گیا۔ اسلامی قوانین کی رعایت وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر عورتوں کو ظلم و ستم اور اذیت و آزار سے بچایا جا سکتا ہے۔

بحیثیت خاتون خانہ اسلام میں عورت کا مرتبہ

حقوق نسواں کی نام نہاد علمبردار تنظیمیں اور بوالہوس مردوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر کی چہار دیواری میں رکھ کر بیکار بنا دیا ہے۔ میری نظر میں اوّل تو یہ الزام ہی بے بنیاد ہے؛ دوّم یہ کہ کوئی طبقہ بیکار نہیں ہوتا، نظام عمل صرف تقسیم عمل ہے کہ گھر کے باہر کا جتنا کام ہے وہ مرد کرے اور گھر کے اندر کے جتنے کام ہیں وہ عورت کرے۔ یہی نظام عمل ہے کہ مرد مرد رہتے ہوئے کارآمد ہو اور عورت عورت رہتے ہوئے کارآمد اور مفید ہو۔ مرد کے لئے یہ کمال نہیں ہے کہ اس کے اندر نسوانیت پیدا ہو جائے اور عورت کیلئے بھی یہ کمال نہیں ہے کہ اس کے اندر مردانگی پیدا ہو جائے؛ بلکہ مرد مرد رہتے ہوئے ترقی کرے اور عورت عورت رہتے ہوئے ترقی کرے۔ اس کے لحاظ سے جو مناسب ہے وہ وہ کام کرے اور جو اس کے مناسب حال ہو وہ اس کام کو انجام دے۔[۳]

حضرت آیۃ اللہ العظمٰی سید علی خامنہ ای فرماتے ہیں: اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایک عورت کا بنیادی کردار اور فرض، امور خانہ داری ہے لیکن خانہ داری کا مطلب خانہ نشین ہونا نہیں ہے۔ اکثر افراد اس حوالے سے غلط فہمی کا شکار ہیں کہ خانہ داری کا مطلب گھر بیٹھنا ہے۔ قطعاً خانہ داری کا مطلب گھر بیٹھنا اور تمام فرائض سے

۵۔ وسائل الشیعہ، ج ۲۱، ص ۳۶۷
۶۔ امالی صدوق، ص ۵۷۷
۳۔ مجموعہ تقاریر سید العلماء سید علی نقی نقن طاب ثراہ، ج ۴، ص ۱۳۴

دستبردار ہو جانا نہیں ہے۔ تعلیم حاصل نہ کرنا، تدریس نہ کرنا، اجتماعی امور انجام نہ دینا، کسی سیاسی سرگرمی میں شریک نہ ہونا وغیرہ خانہ داری کے معنی نہیں ہیں۔ خانہ داری کا مطلب گھر کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ ہر وہ جائز کام جو عورت انجام دے سکتی ہے اور اس کا شوق رکھتی ہے، بغیر کسی روک ٹوک کے کر سکتی ہے لیکن یہ سارے کام امور خانہ داری کے ذیل میں ہوں۔ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جن کی مثالی زندگی کل بشریت اور تمام انسانیت کے لئے نمونہ عمل ہے، کیا وہ صرف گھر تک محدود تھیں؟ جی نہیں؛ جب ضرورت پڑی تو میدان مباہلہ اور دربار حاکم میں بھی گئی ہیں۔ عورت کے گھر سے باہر نکلنے پر اسلام نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ اسلام نے عورت کو کسی جائز کام سے نہیں روکا۔ جس دور میں عورت کو ایک بیکار سی چیز سمجھا جاتا تھا اور اس کو بس خدمت گزاری اور شہوت بجھانے کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا اور اس کو سماج اور معاشرے میں کسی طرح کا کوئی حق حاصل نہیں تھا؛ اسلام نے ظہور کیا اور اس کو مردوں کے برابر مساوی حقوق دئے؛ چنانچہ جس طرح مردوں کے لئے طلب علم کو فریضہ قرار دیا اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ان کے شانہ بہ شانہ طلب علم کو فریضہ قرار دیا۔ عورت موازین شرعی کی پابندی اور اصول اخلاق کی پاسداری کے ساتھ شوق سے گھر کے باہر نکل سکتی ہے اور اپنے ہر جائز شوق پورے کر سکتی ہے۔

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- تفسیر کبیر، رازی، فخر الدین
- مجمع البیان فی تفسیر القرآن، فضل بن حسن طبرسی
- المیزان فی تفسیر القرآن، سید محمد حسین طباطبائی
- علل الشرائع، شیخ صدوق
- من لایحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق
- تورات، سفر تکوین، فصل دوم
- مستدرک الوسائل، نوری، میرزا حسین
- مکارم الاخلاق، حسن بن فضل طبرسی
- امالی، شیخ صدوق
- مجموعہ تقاریر سید العلماء، سید علی نقن
- بحار الانوار، علامہ مجلسی
- وسائل الشیعہ، شیخ حر عاملی

اسلام میں عورت کی منزلت اور اسلامی گھرانہ

مولانا سید مشاہد عالم رضوی

خلاصہ

اسلام کی بنیادی کتاب قرآن کریم اور کتب احادیث میں مرد و عورت دونوں کی عزت و عظمت کو یکساں پیش کیا گیا ہے اور ان کی خلقت ایک جان سے بتائی ہے لہٰذا دونوں کی روح ایک ہے اس لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ محض جسمانی فرق ہے جو نسل انسانی کی بقاء کا ضامن ہے اور لفظ انسان دونوں ہی پر صادق آتا ہے جس سے دونوں کی شخصیت کا مشترکہ پہلو نمایاں ہوتا ہے جبکہ بہت سے دانشوروں نے اس کے روحی و معنوی پہلو کو نظرانداز کرکے محض اسے جنسی عینک سے دیکھنے کی کوشش کی ہے جو عظیم انسانی سوسائٹی کے لئے مشکلات اور جنسی بے راہ روی کا باعث ہے جبکہ مذہب اسلام اس کا حل پیش کرتا ہے اور عورتوں کے حقوق کو بہترین انداز سے واضح کرتا ہے۔

کلیدی کلمات: مرد، عورت، اسلام، پردہ، مغربی کلچر

یہ عظیم انسانی گھرانہ دو اہم ستونوں پر قائم ہے اور اپنے اپنے مقام پر دونوں ہی انسانی زندگی کی ساخت و پرداخت میں اہم کردار کے حامل ہیں۔ جی ہاں عورت اور مرد؛ لیکن اس مقالے میں اسلامی نقطہ نظر سے عورت کی منزلت، کردار، حیثیت اور اس کے حقوق کے بارے میں مختصر طور پر بحث و گفتگو مقصود ہے۔ اسی کے ساتھ تاریخ نے عورت کو کس نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا اس پر بھی ایک نیم نگاہ ڈالنے کی کوشش ہوگی تاکہ حقیقت پسند و جستجو گر حضرات اسلام کی جانب سے عورت کو دئے گئے حقوق کا صحیح اندازہ لگا سکیں اور نام نہاد حقوق نسواں کے علمبرداروں کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آئے دور حاضر کی نئی نسل فیصلہ کرے اور دیکھے کہ عورت کا جائز مقام کیا ہے؟ اور دنیا نے اسے گھٹا کر انسانیت اور عظیم انسانی گھرانہ پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ ۔ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دُروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی ۔ کہ ہر شرف سے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن ۔ اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں[۱]

علامہ اقبال ایک خوبصورت انداز میں عورت کی تصویر کھینچتے ہوئے بتارہے ہیں کہ دنیا کی رنگینیاں عورت کے دم سے قائم ہیں اور زندگی کی سختیاں اسی کی خوشنما آواز سے آسان ہوتی ہیں۔

عورت اسلام سے پہلے

عورتوں کے حقوق اور اس کی منزلت معلوم کرنے سے پہلے اسلام سے قبل کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ معاملہ کو ٹھیک طریقہ سے سمجھا جاسکے۔ چنانچہ تاریخی ثبوتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے قبل، آسمانی تعلیمات کا رنگ اڑ چکا تھا اور آسمانی کتابیں اپنے ہی ماننے والوں کے ذریعے تحریف کا شکار ہو چکی تھیں۔ ارشاد قرآنی ہے:

"یہودیوں (اور الٰہی تعلیمات رکھنے والوں) میں وہ لوگ بھی ہیں جو کلمات الٰہی کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور خدا کی نافرمانی کی... تو خدا نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے تو یہ ایمان لانے والے نہیں مگر بہت کم تعداد میں۔"[۲]

دوسری جانب گمراہی اور انحراف کو ہوا دینے والے من چلے سوسائٹی کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنائے ہوئے تھے۔ لوگوں کی جہالت و نادانی کے سبب کوئی شے اپنے محل و مقام پر نہ تھی چنانچہ ناعاقبت اندیشوں نے عورت جیسے حسین و خوبصورت وجود کو بھی اپنے جاہلانہ و مفاد پرست خیالات و نظریات کی بھینٹ چڑھا کر سماج میں اسے مظلوم و مستضعف بنادیا تھا کہ جسکی مظلومیت کی داستان نہایت غم انگیز اور بڑی پرانی ہے مگر حیرت تو اس بات پر ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی اس کی مظلومیت اسی طرح قائم ہے جیسے ماضی میں قائم تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر اسلام کا سورج طلوع نہ ہوتا اور قرآن کریم کی تعلیمات عام نہ ہوتیں تو معلوم نہیں خواہشات نفسانی کے شکار یہ دیو کب تک عورتوں کا استحصال کرتے رہتے اور کب اس کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کی جرأت کرتے؟

۱۔ کلیات اقبال، ص ۵۵۶
۲۔ سورہ نساء، آیت ۴۶

عورت کی پچھلی جھلکیاں

وہ حق سے محروم، وراثت سے بے دخل، خدمتگزار، لونڈی، کنیز، ایک بے حیثیت عنصر تھی۔ مردوں کے ہاتھ کا کھلونا، بازاروں میں جو خریدنے اور بیچنے کے قابل ہو، جسے سماج انسان تک ماننے کو تیار نہیں تھا وہ جنسی خواہشات کی تسکین کا محض ایک بہترین وسیلہ سمجھی جاتی۔ کہیں داشتہ تو کہیں کوٹھوں پر تو کہیں دسیوں مردوں کی ہوس کی آگ میں جھلستی ہوئی عدالت وانصاف کی فریادی بن کر ہر ایک کا منہ تکتی کہ شاید کوئی غیبی طاقت اس کی جان بچالے اور اسے اس کا حق دلادے۔ دوسری جانب جو عورتیں ذرا آزاد تھیں وہ اپنے شوہروں کے مرنے کے بعد بیٹوں کے ورثہ میں لے لی جاتیں۔[۱]

جس طرح لوگ آسانی سے اپنے کپڑے بدل لیتے ہیں اسلام سے قبل دور جاہلیت میں لوگ عورت کو دوسری عورت سے بدلنے کا حق رکھتے تھے یعنی جب مرد کا دل اپنی بیاہتا سے بھر جاتا تو وہ اسے آسانی سے گھر سے باہر کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا چنانچہ اسے گھر سے نکالنے کے عجیب وغریب طریقے اپنائے جاتے۔ مثلاً اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو خاص خیمہ میں چلا جاتا یا پھر عورت کو تکلیف پہنچانے کے لئے بار بار طلاق دیتے اور پھر رجوع کر لیتے تھے اور یہ عمل بار بار دہرایا جاتا[۲]۔ گذشتہ زمانے میں بیوی کو دوستوں کو تحفے میں دینے لینے کی بری رسم تھی اور اس تبادلہ کو معیوب نہیں سمجھتے تھے اور جنگوں میں اسے اٹھالے جانے کی روایت عام تھی اور اسے جان سے مار ڈالنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ زندہ دفن کرنے والے افراد بھی موجود تھے جو سماج کے ڈر سے یا اپنی جھوٹی اور موہوم عزت بچانے بلکہ معاشی ذمہ داریوں سے فرار کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں سے اپنی ہی بیٹیوں کو سپرد خاک کر دیتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

> "اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ رنج وغم سے سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ اپنے غم وغصے کو ضبط کرتا ہے۔ قوم سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ اسے کیسی بری خبر سنائی گئی ہے اور فکر میں ڈوب جاتا ہے کہ آیا ذلت کے ساتھ اس لڑکی کو زندہ رکھے یا سپرد خاک کر دے؟ یقیناً یہ لوگ کتنا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔"[۳]

۱۔ جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۵، ص ۵۶۰

۲۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، ص ۱۹۱

۳۔ سورہ نحل، آیت ۵۹۔۵۸

قرآن کریم نے اس ذہنیت کی اصلاح کی اور روزی کی ضمانت لیتے ہوئے سورہ اسراء، آیت نمبر ۳۱ میں کہا:

"اور خبردار اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے ڈر سے مار نہ ڈالنا کہ ہم انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی روزی دیتے ہیں۔ بیشک ان کا قتل کرنا گناہ عظیم ہے۔"

مگر یہ جاہلانہ خیالات دور جاہلیت گزر جانے کے باوجود آج بھی پائے جاتے ہیں اور عصر حاضر کے ترقی یافتہ کہے جانے والے لوگ اپنی لڑکیوں کو پیدائش سے پہلے ہی ماں کے رحم میں قتل کر دیتے ہیں یا پھر عورت کو لڑکی کی پیدائش پر طعنے سننے پڑتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے زمانہ گزر گیا مگر ذہنیت نہیں بدلی ہے۔

ہندوستان میں عورت کی حیثیت

ہندوستان قدیم تمدن کا مالک رہا ہے مگر یہاں بھی عورت کی کوئی اچھی حالت نہ تھی۔ ناپاکی کے ایام میں وہ باورچی خانہ میں نہیں جاسکتی تھی۔ وہ نجس اور اچھوتوں کے برابر سمجھی جاتی، جانوروں کی سی حالت تھی۔ اسے مردوں سے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لئے ستی کی نذر ہونا پڑتا یعنی اسے مرد کے مرنے کے بعد چتا پر بیٹھا کر زندہ جلا دیا جاتا اور سماج اس غیر انسانی رسم پر خاموش تماشائی بنا جلتی ہوئی معصوم عورتوں کے جسم کی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھتا رہتا۔

کمسنی میں لڑکیوں کی شادی کرنا، دیوداسی نظام، پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کو قتل کرنا، عورتوں کی تعلیم پر پابندی عائد کرنا، بیٹوں کو اولویت دینا، ستی رسم پر راضی رہنا وغیرہ۔[1] ہندوستانی عورت انہیں مسائل و مشکلات کے مابین خوف وہراس کی زندگی گزارنے پر مجبور تھی حالانکہ اس مذہب میں عورتیں دیوی کے روپ میں پوجی بھی جاتی تھیں۔[2] عجیب بات ہے ایک طرف تو یہی عورت نجس سمجھی جاتی ہے، جانوروں کے زمرے میں رکھی جاتی ہے، زندہ جلائی جاتی ہے تو دوسری طرف یہی عورت دیوی کے روپ میں پوجنے کے قابل بھی ہے۔ یہ اس وقت کے ہندو سماج میں عورت کے حقوق کے حوالہ سے زبردست ٹکراؤ کی صورت ہے جسے دیکھ کر عقل عجیب کشمکش میں ہے۔

۱۔ ڈاکٹر تسنیم بانو، تحریک نسواں اور خواتین افسانہ نگار، صفحہ ۱۰۹

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۹

طلوع خورشید اسلام

حضرت محمدؐ نے چالیس سال کی عمر میں اپنی رسالت کی خبر سنائی اور جزیرہ عرب میں اسلام کی تعلیمات عام کرنے کے لئے اپنی کمر کس لی حالانکہ اس راستے میں آپ نے بڑی دشواریاں اٹھائیں اور مصیبتیں برداشت کیں مگر ان تمام دشواریوں کے باوجود آپ نے اپنا راستہ کبھی نہیں بدلا[1]۔

قرآن کریم کی تعلیمات اور اسلام جیسے دین وآئین کا یہ کمال ہے کہ اس نے اونٹوں کے چرواہوں اور جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر اپنے پیروں پر پیشاب کرنے والے بدوؤں کو مہذب بنادیا یہاں تک کہ عرب کے معاشرے کو یکسر بدل ڈالا اور رفتہ رفتہ پورا جزیرہ عرب، اسلام کی تعلیمات کی بدولت قیصر وکسریٰ سے آگے نکل گیا، عقلیں کھلنے لگیں، لوگوں کا شعور بیدار ہونے لگا اور عام طبقہ بھی جہالت ونادانی کی رسومات وخرافات کی برائیوں کو سمجھنے اور درک کرنے لگا۔ نتیجہ میں عورت کی بھی عزت ومنزلت پہچانی گئی اور جو غلط تصورات عام طور سے قائم ہو چکے تھے اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا کیوں کہ نبی کریمؐ نے صرف اپنی زبان ہی سے عورت کی عزت وعظمت بیان نہیں فرمائی بلکہ خود اس پر عمل پیرا ہوئے اور لوگوں نے دیکھا نبی کریمؐ خود اپنی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بڑی عزت کرتے ہیں انہیں اپنی مسند پر جگہ عنایت فرماتے اور بیٹیوں کی درست تعلیم وتربیت کرنے والے ماں اور باپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے اس عمل سے پورے معاشرے میں عورت کی ایک نئی اور درست تصویر ابھر کر سامنے آئی۔

منزلت عورت قرآن میں

جناب حوا زوجہ جناب آدم، زوجہ فرعون جناب آسیہ بنت مزاحم، مادر جناب موسیٰ اور آپ کی بہن کلثوم، زوجہ حضرت ابراہیم جناب سارہ اور مادر حضرت عیسیٰ مریم بنت عمران کے تذکرے قرآن کریم میں نام بنام یا بلا نام اشارہ وکنایہ میں یا پھر صراحت سے بیان ہوئے ہیں اور ان کی زندگیوں کے مختلف گوشے اجاگر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ یہ تذکرے جہاں نیکوکار وصالحہ خواتین کی بلندی کردار اور اخلاقی رفعتوں سے پردہ اٹھاتے ہیں وہیں دوسری طرف قرآن کریم نے حضرت نوح اور حضرت لوط جیسے نبیوں کی خدا دشمن بیویوں کے کفریہ کردار کی نشان دہی بھی کی ہے تاکہ اس کا منفی پہلو بھی سامنے آجائے۔ یہاں تک کہ نبی کریم محمد مصطفیؐ کی بعض بیویوں کی خیانتوں کی طرف اشارہ بھی قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ اس اشارے سے سورہ تحریم، آیت ۳و۴ میں یہ پہلو بھی نمایاں کر دیا گیا کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور عورتیں چاہیں تو مردوں کی طرح

۱۔ سید علی نقی نقوی، رہنمایان اسلام، صفحہ ۲۲۔۲۰

بارگاہ الٰہی میں اپنے گناہوں سے توبہ کر کے رجوع کر سکتی ہیں۔

تو آپ ملاحظہ فرمائیں قرآن کریم میں عورت کے مثبت اور منفی دونوں کردار پیش کئے گئے ہیں جو انسانی زندگی کا ایک حساس پہلو ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی نقطہ نظر سے مرد و عورت کی خلقت نفس واحد سے ہے چنانچہ یہ بیان بذات خود انسانی ذہنوں کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے تاکہ انسان عورت کے تمام مسائل سامنے رکھ کر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالے پھر اسے موضوع سخن بنائے۔

ارشاد ہوتا ہے مرد اور عورت دونوں ایک ہی جان سے پیدا ہوئے ہیں:

یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَۃ... ؛ترجمہ: اے انسانو! اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے...[۱]۔

اس ذیل میں قابل توجہ باتیں

۱. اس سورہ کا نام ہی نساء یعنی عورتوں کا سورہ ہے جو اسلام و تعلیمات قرآن میں صنف نازک کی اہمیت و منزلت کی دلیل ہے۔

۲. اس سورہ میں عورتوں سے متعلق احکامات بیان کئے گئے ہیں اور ان کے حقوق کی رعایت کرنے کا حکم ہے چنانچہ اگر کوئی مرد یتیم و بے سہارا لڑکیوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہتا ہے تو اسے خصوصیت سے اس مرحلے میں عدالت و انصاف کرنے کی سفارش کی گئی ہے اور مردوں کو شادی سے قبل عورتوں کے مہر کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔

۳. مذکورہ آیت میں ''نفس'' سے مراد جناب آدمؑ ہیں جن سے تمام انسان پیدا ہوئے ہیں اور جناب حوا یعنی ان کی زوجہ کو انہیں کی جنس سے پیدا کیا گیا ہے گویا'' من ''تبعیض کے لئے نہیں بلکہ بیان جنس کے لئے ہے۔[۲]

میراث میں عورت کا حق: جہاں لوگ عورتوں کو کسی طرح کا کوئی حق دینے کے لئے تیار نہیں تھے اور شوہر کے مرنے کے بعد اس کی زوجہ بیٹوں کے ورثہ میں آجاتی تھی[۳]۔ وہیں رسول اللہؐ نے تعلیمات اسلام اور قرآنی دستور کے مطابق اسے میراث میں حصہ دار قرار دیا اور بتایا کہ انسانی فضائل و کمالات میں وہ مردوں کے برابر ہے۔

۱۔ سورہ نساء، آیت ۱

۲۔ علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، حاشیہ انوار القرآن، ص ۱۸۶

۳۔ سابقہ حوالہ، ص ۱۹۳

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

"مردوں کے لئے ان کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں ایک حصہ ہے اور عورتوں کے لئے بھی ان کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں سے ایک حصہ ہے وہ مال کم ہو یا زیادہ یہ حصہ فریضہ ہے۔"[۱]

عورت کی آبرو کا تحفظ: ارشاد ہوتا ہے:

"اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں تو ان پر اپنوں میں سے چار گواہوں کی گواہی لو۔"[۲]

اس حکم قرآنی نے عورتوں پر الزام تراشیوں اور بہتان کے راستے بند کر دیئے اور عجلت پسند مردوں کے مزاج بگڑ جانے یا کان بھرائی پر جھٹ پٹ بیوی کو طلاق دینے جیسی عادتوں پر روک لگا دی کیونکہ طلاق کے لئے گواہیاں درکار ہیں اور گواہوں کے لئے عدالت شرط ہے جس کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہے[۳]۔

جسم فروشی ممنوع: یہی آیت عورت پر جسم فروشی اور نامحرموں سے ناجائز تعلقات قائم کرنے پر پابندی بھی عائد کرتی ہے۔ اسلام میں عورت کا مقام بہت بلند ہے، کوئی مسلمان عورت ہر جائی بنکر نہیں رہ سکتی کہ جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی چنانچہ اسلامی نقطہ نظر سے ایک عورت ایک ہی مرد کے عقد میں رہ سکتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت تنہا جسم ہی کی نہیں بلکہ روح کی بھی مالکن ہے اور مردوں کی طرح یہ بھی جسم وروح دونوں کا مرکب ہے جس کا اسے زندگی میں خیال رکھنا ہے۔

عورت پر زیادتی ممنوع: جہاں عورتوں کے حقوق ذکر کئے گئے ہیں وہیں مردوں پر بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں جن کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہے لیکن یہاں ایک مختصر اشارہ ملاحظہ فرمائیں:

"اے ایمان والو! تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جبراً عورتوں کے وارث بن جاؤ اور خبردار انہیں منع بھی نہ کرو کہ جو کچھ ان کو دے دیا ہے اس کا کچھ حصہ لے لو مگر یہ کہ وہ کھلم کھلا زنا کریں اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرو اب اگر تم انہیں ناپسند بھی کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور خدا اسی میں خیر کثیر قرار دیدے۔"[۴]

۱۔ سورہ نساء، آیت ۷

۲۔ سورہ نساء، آیت ۱۵

۳۔ رجوع فرمائیں: امام خمینی، تحریر الوسیلہ، بحث نکاح وطلاق؛ منہاج الصالحین، آقائے خوئی، اور دیگر فقہی کتب

۴۔ سورہ نساء، آیت ۱۹

اس بناء پر مرد عورتوں پر زیادتی نہیں کر سکتے اور اگر ان کے پاس پہلے سے کوئی مال وغیرہ ہے تو جبر یہ اسے لینا یا انہیں کچھ عطا کر کے پھر واپس مانگنا مرد کے لئے درست نہیں۔ گویا آیت میں ان کی مالی حیثیت اور ملکیت کو قبول کیا جارہاہے اور بتایا جارہاہے کہ معاشی و اقتصادی اعتبار سے عورت بھی مرد کی طرح مضبوط اور مالک ہو سکتی ہے۔

عورتوں پر ظلم کرنے والے مرد اچھے مسلمان نہیں: حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "ایک شب رسول اللہؐ کے پاس تیس عورتیں اپنے شوہروں کی شکایتیں لیکر آئیں آنحضرتؐ نے ان کی شکایتیں سنکر فرمایا: یہ اچھے مسلمان نہیں ہیں۔"[۱]

عورتیں الٰہی امانت: حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "عورتیں تمہارے پاس اللہ کی امانتیں ہیں انھیں نہ ستاؤ اور ان پر بیجا سختیاں نہ کرو۔"[۲]

مرد عورتوں کے محافظ و نگراں: سورہ نساء کی تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

> "مرد عورتوں کے نگراں ہیں ان فضیلتوں کی بناء پر جو خدا نے (قدرتی طور پر) بعض کو بعض پر دی ہیں اور اس بناء پر کہ انہوں نے عورتوں پر اپنا مال خرچ کیا ہے تو نیک عورتیں وہی ہیں جو شوہروں کی فرمانبردار ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں ان چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہیں جن کی خدا نے ان سے حفاظت چاہی ہے۔"

اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے خوبصورت انداز میں بیان کیا:

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد[۳]

جنسی انارکی مطلقاً ممنوع: مرد ہو یا عورت دونوں کو پاکدامنی کی تعلیم دی گی ہے۔ جنسی بے راہ روی اور جنسی انارکی کسی طرح شگون یا نیک نہیں ہے بلکہ اسلام میں نہ کسی مرد سے یہ قابل قبول ہے اور نہ ہی کسی عورت سے اور نہ تو صحیح معنوں میں کوئی صاحب فہم و خرد اس چیز کو پسند کر سکتا ہے لہٰذا اسلام نے پیش بندی کے

۱۔ مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۲۴۸
۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۷، ص ۶۸
۳۔ کلیات اقبال، ص ۲۷۴

طور پر ناجائز تعلقات اور جسمانی لمس کی حرمت سے پہلے اول اول نگاہ کے پردے کی سفارش کی ہے اس طرح کہ نامحرم عورتوں کے سامنے مرد اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور نامحرم مردوں کے سامنے عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں کیونکہ آنکھوں کا چار ہونا فساد انگیز ہے۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

"اے پیغمبر آپ مومنین سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہی پاکیزگی سے قریب تر بات ہے بیشک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔"[۱]

اس آیت میں عورتوں سے پہلے مردوں سے خطاب ہے پھر بعینہ یہی حکم عورتوں کو دیا جارہا ہے۔

"اور اے پیغمبر مومنات سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں علاوہ اس کے جو از خود ظاہر ہے اور اپنے دوپٹے کو اپنے سینے پر ڈالے رہیں۔"[۲]

اس بناء پر مرد و عورت دونوں ہی کو عفت و پاکدامنی کا حکم دیا گیا ہے اور دونوں ہی اس حکم کے پابند ہیں چنانچہ یہ شراکت لطف سے خالی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ مغربی کلچر اسے کیسے پسند کرسکتا ہے؟ جبکہ عظیم انسانی سوسائٹی کے لئے اسی حکم میں بھلائی ہے اور خصوصی طور پر عورتوں کو سورہ احزاب آیت نمبر ۵۹ میں خطاب کرکے انھیں اپنا پورا بدن ڈھاکنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ عورت بے حجاب یا بد حجاب ہو کر اپنی شخصیت کو باقی نہیں رکھ سکتی۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے پردہ داری اور عفت و عصمت کی حفاظت مرد و عورت دونوں ہی کی مشترکہ ذمہ داری ہے جس کے لئے ایک کو دوسرے کا تعاون درکار ہے تاکہ پورا سماج صحتمند و صحیح و سالم رہے۔

مسلم عورتوں کی ذمہ داریاں: سورہ ممتحنہ کی ۱۲آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"اے پیغمبر! اگر ایمان لانے والی عورتیں آپ کے پاس آتی ہیں اس امر پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہیں بنائیں گی اور چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے سے کوئی

۱۔ سورہ نور، آیت ۳۰ ۲۔ سورہ نور، آیت ۳۱

بہتان (لڑکا) لیکر نہیں آئیں گی اور کسی نیکی میں آپ کی مخالفت نہیں کریں گی تو آپ ان سے ان باتوں پر بیعت لے لیں اور ان کے حق میں استغفار کریں کہ خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"[۱]

اس ذیل میں چند باتیں صاف ہو جاتی ہیں:

۱. مردوں کی طرح عورتیں بھی اللہ تعالی کی عبادت میں کسی کو شرک نہیں کر سکتیں۔
۲. چوری کا کوئی جواز نہیں، چاہے شوہر کے مال میں ہو یا غیر کا مال۔
۳. بدکاری اور زنا کی مطلق اجازت نہیں ہے۔
۴. اولاد کا قتل جرم ہے شکم کے اندر ہو یا باہر۔
۵. بہتان سے پرہیز ضروری ہے چاہے غلط بیانی کی شکل میں ہو یا اپنے شکم کے بارے میں ہو۔
۶. نیکی ہر حال میں سر چشمہ خیر و برکت ہے اور ایک صاحب ایمان و باکردار عورت سے بس اسی چیز کی امید رکھنا چاہیے۔

انسان چاہے جتنی ترقی کیوں نہ کرلے کسی جگہ کسی بھی صورت میں ان تعلیمات کو چھوڑ کر ترقی نہیں کر سکتا ہاں مگر جانوروں کی سی زندگی گزار سکتا ہے۔ کاش آزادی نسواں کا نعرہ لگانے والے ایک نظر ان تعلیمات پر بھی ڈالتے!

اچھے اور برے مرد و عورت کی پہچان: امام صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں:

"تین لوگ زندگی دو بھر کر دیتے ہیں: ۱۔ظالم حاکم؛ ۲۔برا پڑوسی؛ ۳۔بدزبان عورت۔"[۲]

رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ اس عورت پر رحمت نہیں نازل کرتا جو اپنے شوہر کا شکریہ ادا نہیں کرتی حالانکہ وہ اس سے بے نیاز نہیں ہے۔"[۳]

اسی طرح رسول اللہؐ ارشاد فرماتے ہیں:

"کیا میں تم لوگوں کو بدترین مردوں کے بارے میں بتاؤں؟"

۱۔ سورہ ممتحنہ، آیت ۱۲
۲۔ تحف العقول، ص ۳۲۰
۳۔ الدر المنثور، ج ا، ص ۱۵۳

اصحاب نے یہ سن کر کہا: ہاں اے اللہ کے رسول تو آپؐ نے فرمایا:

"بدترین مرد وہ ہے جو تہمت لگائے، بداخلاق اور بدزبان ہو، اکیلے کھائے، دوسروں کو نہ کھلائے اور اپنی بیوی بچوں کو دوسروں کے رحم وکرم پر ڈال دے یعنی خود ان کی ذمہ داری نہ اٹھائے۔"[۱]

مختصر یہ کہ دونوں کی اپنی اپنی ایک حیثیت ومنزلت ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مرد اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے اور عورت اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ بلاوجہ کوئی کسی کے خانہ میں داخلہ کی کوشش نہ کرے اور دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں ہی رہیں۔ یعنی مرد بحیثیت مرد اچھا لگتا ہے اور عورت بحیثیت عورت اچھی لگتی ہے اور اس سلسلے میں یہی اسلامی تعلیمات کا نچوڑ بھی ہے۔

عورت بحیثیت عورت: اسی طرح تاریخ بنانے میں عورت کا کردار رہا ہے مگر غیر مستقیم طریقے سے کبھی ماں کی صورت کبھی بیٹی کی صورت اور کبھی شریک حیات کی صورت میں۔ عورت کی زندگی میں یہ تین پہلو نہایت اہم ہیں۔ عورت جس قدر پیچھے رہ کر غیر مستقیم طریقے سے کردار نبھانے کی کوششیں کرتی ہے زیادہ کامیاب اور مطمئن نظر آتی ہے جس کی ایک بہترین مثال بانی اسلام حضرت محمدؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا وہ تاریخی بیان ہے جس میں آپ نے اپنے والد ماجد کے تقسیم کار پر خوشی کا اظہار فرمایا ہے جس سے عورتوں کی باطنی سرشت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب فاطمہ زہرا(س) اپنے شوہر نامدار علی بن ابی طالبؑ کے گھر رخصت ہو کر گئیں تو پیغمبر اکرمؐ دوسرے دن بیٹی سے ملاقات کرنے ان کے گھر تشریف لے گئے اور بیٹی کی فرمائش پر اپنے داماد علی مرتضٰی اور بیٹی فاطمہ کے درمیان تقسیم کار کرتے ہوئے فرمایا:

"فاطمہ گھر کے اندر کے کام کریں گی اور علی گھر کے باہر کے کام انجام دیں گے۔ حضرت فاطمہ اس تقسیم کار سے بہت خوش ہوئیں اور فرمایا: خدا کا شکر کہ میرے بابا نے مجھے نامحرموں کے درمیان میں جانے سے بچالیا۔"[۲]

شادی اور حقوق کا تحفظ: شادی کی اہمیت سے کوئی سماج اور عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اسلام میں جہاں شادی اہم فریضہ ہے وہیں سادگی سے اس فرض کی ادائیگی پر بھی زور دیا گیا ہے۔ خود رسول اسلامؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ زہرا (س) کی شادی نہایت سادگی سے کی ہے۔ جس شادی میں ہونے والے داماد علیؑ نے پہلے اپنی زرہ بیچ کر

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۲۹۲؛ بحار الانوار، ج ۶۹، ص ۱۱۵

۲۔ بحار الانوار، ج ۴۳، ح ۱، ص ۸۱؛ کنزل العمال، ج ۱۶، ص ۳۴۱

مہر کی رقم ادا کی پھر پیغمبر اسلامؐ نے اسی رقم سے بیٹی کی شادی کا انتظام کیا ہے جو سادگی و کم خرچ ہونے کے لحاظ سے تاریخ اسلام کی اہم ترین شادیوں میں سے ایک بے مثال شادی ہے۔[۱]

رسول اللہؐ نے فرمایا: "کم خرچ شادی زیادہ بابرکت ہوتی ہے۔"[۲]

اسلام میں شادی بجائے خود کوئی مشکل امر نہیں ہے جس کے لئے والدین کو پریشان ہونا پڑے بلکہ اسلامی شادی سادی اور عزت و شرف کا جہاں ایک ذریعہ ہے تو وہیں جسم و جاں کی صحت و سلامتی کا ایک وسیلہ بھی ہے جس کے بعد مرد و عورت کے بہت سے اجتماعی حقوق محفوظ ہوجاتے ہیں جبکہ شادی سے ہٹکر دیگر جسمانی تعلقات انسانی شخصیت کے ضیاع و بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہے:

> وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا؛ ترجمہ: اور دیکھو زنا کے قریب بھی نہ جانا کہ یہ بدکاری اور بہت برا راستہ ہے۔[۳]

اس حکم کی صراحت کے بعد مسلم معاشرے کے اندر غیر رسمی تعلقات کیسے درست ٹھہرائے جاسکتے ہیں؟! یا شادی میں بڑھتی ہوئی عمر کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟! یا پھر لڑکوں کا اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کو بہانہ بنا کر شادی میں ٹال مٹول اور تاخیر کرنا کہاں سے درست ہوسکتا ہے؟!

عقد کا بندھن: مرد و عورت عقد نکاح کے خوبصورت صیغوں کے ہار میں سج دھج کر روحی کمال کے زینے طے کرتے ہیں اور قلبی سکون حاصل کرتے ہیں:

> وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۔۔۔[۴]؛ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہارا جوڑا بنایا تاکہ تم اس سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان مودت و رحمت قائم کی بیشک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

شادی۔ محبوب ترین عمارت: رسول خداؐ نے فرمایا: "اللہ کے نزدیک اسلام میں شادی سے زیادہ محبوب کوئی اور عمارت قائم نہیں ہوئی۔"[۵]

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۶۱

۲۔ کنز العمال، ج ۳، ص ۵۲۴۸

۳۔ سورہ اسراء، آیت ۳۲

۴۔ سورہ روم، آیت ۲۱

۵۔ من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۳۸۳؛ بحار الانوار، ج ۱۰۰، ص ۲۲۲

اسی طرح رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ کَانَ مُوسِراً وَلَمْ یَنْکِحْ فَلَیْسَ مِنِّی ۔ ترجمہ: مالی قوت رکھنے کے باوجود بھی جو شادی نہ کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔[1]

اسی طرح رسول اللہؐ ارشاد فرماتے ہیں: لَمْ یُرَ لِلْمُتَحابِیْنَ مِثْلَ النِّکاحِ [2]۔ ترجمہ: نکاح کے بعد میاں بیوی میں پیدا ہونے والی محبت بے مثال ہے۔

غور طلب ہے کہ اسلامی شادی ہی میاں بیوی میں محبت پیدا کرتی ہے لہٰذا اس دائرہ سے باہر دیگر تعلقات فریب ودھوکہ سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

اَلْعَبْدُ کُلَّمَا ازْدَادَ لِلنِّساءِ حُبًّا اِزْدَادَ فِی الْاِیْمانِ فَضْلاً؛ ترجمہ: جب مرد اپنی بیوی کو زیادہ چاہتا ہے تو اس کے ایمان میں اور اضافہ ہوتا ہے۔[3]

یہ ہے اسلام میں عورت کی تصویر جہاں مرد کے ساتھ عورت کو بھی عزت ومقام حاصل ہے اور دونوں کو اپنے اپنے حقوق ادا کرنے کی ہدایت ہے۔

پردہ یا خود حفاظتی دیواریں

اسلامی عورت پردہ دار ہے اور اپنے پردہ پر ایمان رکھتی ہے خود کو حجاب میں زیادہ محفوظ پاتی ہے عورتوں کے اندر یہ ایک فطری احساس ہے جو علاقہ ،زمان و مکان اور جغرافیائی قید وبند سے آزاد ہے۔ چنانچہ جو خواتین میک اپ کے ساتھ عام جگہوں پر اور نامحرموں کے درمیان بے پردہ آتی جاتی ہیں کچھ ہی مدت بعد انہیں مردوں کی نگاہوں سے گر جاتی ہیں جن کی یہی خواتین کل تک توجہ چاہتی تھیں کیونکہ مردوں کی نظروں میں آئے دن ناز وعشوہ کے نئے نئے مناظر آتے ہیں پھر ان کی نگاہ کسی ایک پر نہیں ٹھرتی چنانچہ جب بازار حسن میں سبھی سجے دھجے ہوں تو پھر جو بھی زیادہ اچھا لگے وہی نگاہوں میں کھپ جاتا ہے اور پچھلا رنگ ماند پڑ جاتا ہے حالانکہ پردہ دار خواتین اس ٹوٹ پھوٹ کا شکار کم ہی ہوتی ہیں بلکہ اپنی پردہ داری کے سبب سے دائمی حسن وزیبائی کی جہاں ملکہ ہوتی ہیں وہیں عزت واحترام کی دیوی بن جاتی ہیں۔ اسلام جبر نہیں کرنا چاہتا بلکہ صنف نازک کو پردہ کی تعلیم دیکر ان کے وقار کو اور بڑھاتا ہے۔

۱۔ مکارم الاخلاق، ص ۱۹۸

۲۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ح ۱۸۴۷، ص ۵۹۳

۳۔ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۳۸۴

حضرت علیؑ نے فرمایا: المرأة ریحانة لیست بقهرمانة۔ یعنی عورت پھول ہے پہلوان نہیں ہے[۱]۔

اسلام اسے پھول بتاتا ہے۔ اسے ایسی قیمتی موتی سمجھتا ہے جسے اجنبیوں کی نظروں سے چھپا کر رکھتے ہیں قیمتی زیور ہے جسے لاکر میں رکھنے کی کوشش ہوتی ہے۔ آج اسلام کی یہ اور دیگر ہدایات کتابوں کی زینت ہیں جو خاتون خانہ کی شخصیت میں چار چاند لگا دیتے ہیں جس کی کچھ جھلکیاں سورہ نور اور سورہ احزاب میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

نکاح اور طلاق کی حکمت اور فلسفہ

عائلی زندگی میں جب دو اجنبی آپس میں مشترکہ زندگی گزارنے کا پاک و پاکیزہ عہد کرتے ہیں جو ایجاب و قبول سے وجود میں آتا ہے تو اسے نکاح کہا جاتا ہے۔ نکاح کی بنیاد ایمان میں ہم آہنگی اور محبت و انسیت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔

ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ ایک دوسرے کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب خدا رحمت نازل کرے گا۔[۲]

ایمانی ہماہنگی کے بارے میں سورہ احزاب، آیت نمبر ۳۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

"بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں اور سچے مرد و سچی عورتیں اور صابر مرد و صابر عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عفت و پاکدامنی کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور خدا کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔ اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور عظیم اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

محبت، شادی کی بنیاد: ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً

۱۔ شیخ طوسی، مکارم الاخلاق، ص ۲۱۸

۲۔ سورہ توبہ، آیت نمبر ۷۱

وَ رَحْمَۃً ۔ترجمہ :اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تا کہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے کہ اس میں صاحبان فکر کے لئے ڈھیر ساری نشانیاں ہیں[1]۔

توشادی کی بنیاد محبت وانسیت ہے جسے پروردگار عقد نکاح کے بعد دولہا دلہن کے دلوں میں پیدا کرتا ہے لہٰذا جب تک دونوں کے اندر یہ جذبہ قائم ہے یہ رشتہ بھی برقرار رہتا ہے اور اگر یہ جذبہ کسی وجہ سے سرد پڑ جائے اور محبت نفرت اور دشمنی میں بدل جائے اور دونوں کی زندگیاں تلخی کا شکار ہو جائیں اور کسی طرح سے نباہ ممکن نہ ہو تو یہ معاہدہ نکاح طلاق کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے۔

خانگی عدالت

لیکن طلاق پہلا مرحلہ نہیں آخری مرحلہ ہے چنانچہ اگر دونوں طرف کے خیر خواہ وشفیق بڑے بوڑھے چاہیں تو گفتگو ومذاکرہ کے ذریعہ تلخیوں کو دور کر سکتے ہیں اور انھیں پھر سے زندگی کے مشترکہ راستہ پر لا سکتے ہیں بشرطیکہ ثالث حضرات دونوں کے خیر خواہ ہوں اور معاملہ کو سلجھانا چاہتے ہوں اور اپنی مصلحانہ ذمہ داریاں نبھائیں باقی کام اللہ پر چھوڑ دیں۔

اس سلسلے میں سورہ نساء،آیت نمبر ۳۵ میں ارشاد ہے :

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا

ترجمہ : اگر دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک حکم یعنی قاضی۔ مرد کی طرف سے اور ایک عورت والوں کی طرف سے بھیجو تو اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہے تو خدا ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا بیشک اللہ علیم بھی ہے خبیر بھی ہے۔

اب اگر سمجھانے بجھانے کے بعد بھی میاں بیوی اپنی مشترکہ زندگی استوار نہیں رکھنا چاہتے تو حل مشکل کے طور پر انہیں طلاق کا قانون اور اختیار دیا گیا ہے تا کہ طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔

۱۔ سورہ روم،آیت نمبر ۲۱

نکاح میں پہل اور طلاق کا اختیار

دلچسپ بات یہ کہ ایجاب کے ذریعہ نکاح میں پہل عورت ہی کرتی ہے اور مرد اسے قبول کر کے اپنا ہمسر اور شریک حیات بناتا ہے۔ مگر ایجاب میں عورت کی جانب سے پہل کے برخلاف طلاق مرد کا حق ہے کیوں کہ جدائی کے لئے سمجھ درکار ہے۔ معمولی معمولی سی بات پر زندگی کے نظام کو درہم برہم کرنا عقلمندی نہیں ہے لہٰذا یہ اختیار مرد کو دیا گیا تاکہ وہ خوب معاملہ کو سمجھ لے پھر طلاق کے لئے اقدام کرے چنانچہ یہی طلاق جائز ہونے کے باوجود اسلام میں ناپسند بھی ہے۔[1] البتہ مرد کو اپنے اس حق سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی مطلق اجازت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں افرط و تفریط کی کہیں کوئی گنجائش نہیں کہ اب اگر شادی ہو گئی ہے تو اسے ہر حالت میں باقی رکھیں، نہیں! بلکہ وقت ضرورت کے لئے طلاق بھی ہے تاکہ انسان مشترکہ زندگی کو بوجھ نہ سمجھ بیٹھے۔ یہ مشکل تو عیسائیت میں ہے یا تو عورت سے دور رہو وہ نجس ہے یا اگر شادی کی ہے تو اب جنم جنم کا ساتھ ہے چاہے دونوں ہی ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہوں یا دونوں میں کوئی ایک دوسرے کو ناپسند کرتا ہو۔ چنانچہ اسی جیسی افراط و تفریط نے مغربی کلچر میں جنسی انارکی اور لا قانونیت ایجاد کرنے میں مدد پہنچائی ہے۔ ایک طرف تو فطرت انسانی شادی کا مطالبہ کرتی ہے تو دوسری طرف مسیحیت کہتی ہے رہبانیت اختیار کرو یا پھر ازدواجی زندگی اختیار کر کے بندھ جاؤ، آخر فطرت کی آواز کو کس طرح دبایا جاسکتا ہے ؟[2]

یقیناً انسان تعلیمات اسلام کے مطالعہ کے بعد اپنی حقیقت کو سمجھنے لگتا ہے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھ کر اندازہ لگاتا ہے کہ اگر روئے زمین پر کوئی الٰہی دین اپنی اصلی صورت و شکل میں آج ہے تو وہ خالص اسلام کی تعلیمات ہیں جس میں مرد و عورت دونوں کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اس کی ادائیگی کے آسان راستے بھی بتائے گئے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے اور خواتین کی عزت و عظمت شرف و منزلت اور ان کے حقوق کی بازیابی محض اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے ہی میں مضمر ہے۔

۱۔ مشکواۃ، ص ۸۴؛ سنن ابی داؤد، باب کراھیۃ الطلاق، ح ۲۱۷۷

۲۔ بررسی جایگاہ زن در ادوار تاریخی آئین مسیحیت، با تلخیص

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- نہج البلاغہ
- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی
- موسوعۃ الفقہ الاسلامی
- حماسہ حسینی، ج اول
- ہندوؤں کی ستی رسم کی مختصر تاریخ، عبد المعین انصاری
- تحریک نسواں اور خواتین افسانہ نگار، ڈاکٹر تسنیم بانو، مطبع روشان پرنٹرس، دہلی
- رہنمایان اسلام سید علی نقی نقوی، امامیہ مشن علی گڑھ
- خصال صدوق
- انوار القران، ذیشان حیدر جوادی
- مستدرک الوسائل، حاجی نوری
- وسائل الشیعہ، حر عاملی
- کلیات اقبال
- تحف العقول
- الدّر المنثور، سیوطی
- اصول الکافی، شیخ کلینی
- بحار الانوار، مجلسی
- کنز العمّال، ملّا علی متقی
- من لا یحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق
- مکارم الاخلاق، طوسی
- دعائم الاسلام
- النّوادر، راوندی
- تنزیہ الانبیاء
- سنن ابن ماجہ
- فیمنزم تاریخ و تنقید، شہناز نبی

گھر میں خواتین کے حقوق کے بنیادی اصول

مؤلف: حجۃ الاسلام والمسلمین سید اسحاق حسنی کوہساری

مترجم: مولانا سید محمد باقر

خلاصہ

اسلام نے بغیر کسی افراط و تفریط کے حقیقت پسندی اور مقصدیت جیسے دو اصولوں پر نظر رکھتے ہوئے خاندان کے استحکام اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک خاص حقوقی نظام قائم کیا ہے۔ اسلام کے حقوقی نظام میں عورت و مرد کے درمیان پائے جانے والی مشترکہ خصوصیات اور اختلافات کو مد نظر رکھتے ہوئے اور گھر کی بنیاد کو بچاتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ خواتین کے حقوق کا دفاع کیا جائے۔ دو اصول یعنی گھر کے ثبات واستحکام اور میاں بیوی کا ایک دوسرے سے وابستہ ہونا اور دوسرا اصول یعنی میاں بیوی کا مستقل ہونا اور عورت کی شخصیت و حقوق کا تحفظ ان کے درمیان توازن برقرار کرنے کی کوشش کی گئی ہے لہٰذا اس نظام میں جب تک شوہر و بیوی کی آزادی گھر کی بنیاد کو نقصان نہ پہنچائے انھیں آزادی دی گئی ہے اور ہر کوئی بغیر کسی جھجھک کے پوری آزادی کے ساتھ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مالکیت کا حق، ہمسر کے انتخاب کا حق، سیاسی سرگرمیوں میں شریک ہونے کا حق منجملہ ان حقوق میں سے ہیں جنہیں بیوی آزادی کے ساتھ استعمال کر سکتی ہے لیکن گھر چلانے جیسے امور میں اسے شوہر کا تابع قرار دیا گیا ہے۔

اس مضمون میں گھر کے لیے مدیر وسربراہ کی ضرورت کے ساتھ ساتھ مردوں کے ذریعے اسے چلانے اور اسلامی حقوق اور فقہی اصولوں کے مطابق اس کے اثرات کے حوالے سے مختلف آراء اور نظریات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

انسانوں کے حقوق بالخصوص عورت کے حق کے سلسلہ میں مختلف ادیان، کلچر اور مکتب فکر، ایک نظریہ نہیں رکھتے ہیں اور ان ہی نظریوں کا مختلف ہونا اگر ارادوں اور نفسانی خواہشوں کے ساتھ ہو تو عورتوں کے حقوق میں اکثر و بیشتر بدلاو دیکھنے کو ملتا ہے۔

یونان جہاں شادی کو ایک طرح کا لین دین سمجھا جاتا تھا[1]؛ روم جہاں عورت کو اپنی حیات و موت پر اختیار نہیں تھا اور شوہر کے مرنے کے بعد اسے گھر کے بڑے بیٹے کی ملکیت میں دے دیا جاتا تھا[2]؛ ہندوستان اور منو سمرتی میں عورت کو ذلت و خواری کا سرچشمہ اور حیات خاکی میں لڑائی و فساد کا سبب سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح سے قدیم ایران میں بھی عورت کے پاس کوئی حق نہیں تھا وہ یا تو قبیلہ کے سردار یا خاندان کے بزرگ افراد کی سرپرستی میں ہوتی تھی[3]۔ زمانہ جاہلیت میں نجد و حجاز میں بھی دوسرے ممالک کی طرح عورتوں کو حقارت و ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، بعض علاقوں میں لڑکیوں کے پاس حق حیات نہیں تھا۔ انھیں زندہ درگور کردیا جاتا تھا اور مختلف قسم کی شادیاں جیسے شغار، بدل، استیضاع اور جمع رائج تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طریقہ سے عورتوں کے حقوق کو نظرانداز کرنے کا سبب تھا۔

ہر صدی میں حتی اس صدی میں بھی خاص کر یورپ میں عورتوں کو مذکورہ محرومیت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ انسانیت کے دلفریب نعروں، علم و صنعت کی ترقی و توسیع، بڑے بڑے کارخانوں کا وجود اور اور کام کے لئے سستے مزدور کی ضرورت منجملہ ان عوامل میں سے ہے جو عورت و مرد کی برابری کے لئے فیمینیسم جیسی تحریک کے وجود میں آنے کا سبب بنا۔ وہ تحریک جو یورپ میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قائم ہوئی چونکہ دیر سے اسکی اہمیت کی جانب متوجہ ہوئے لہٰذا نہایت عجلت میں اسے بنایا گیا اور احساسات و جذبات عقل و خرد پر غالب آگئے لہٰذا ہر خشک و تر ایک ساتھ جل گیا۔ یہ تحریک معاشرہ اور خود عورت کے لئے سوغات کے طور پر مختلف قسم کی بدقسمتی و مجبوری لے کر آئی۔ برطانیہ جو دنیا کا سب سے قدیمی جمہوری ملک ہے، بیسویں صدی کے آغاز میں وہ عورت و مرد کے مساوی حقوق کا قائل ہوا۔ امریکہ نے اٹھارویں صدی میں حقوق بشر کی اہمیت اور ضرورت کا اعتراف کیا لیکن سن ۱۹۲۰ میں سیاسی طور پر عورت و مرد کے درمیان مساوی حقوق کو نافذ کیا[4]۔

یہ تحریک اگرچہ آزادی و خواتین کے حقوق کی پاسداری و تحفظ کے نعرے کے ساتھ وجود میں آئی تھی لیکن بجائے اسکے کہ وہ خواتین کو مرد اور سماج کے ظالم چنگل سے نجات دلاتی اسے اخلاقی پابندیوں سے آزاد کردیا

۱۔ ویل ڈورنٹ؛ تاریخ تمدن، ص ۹۰۔۸۹

۲۔ آلبر مالہ وژول ایزاک، تاریخ ملل شرق، ص ۱۰۳۔۹۰

۳۔ کریستینن سن، آرتور؛ ایران در زمان ساسانیان، ص ۴۳۳

۴۔ مطہری، مرتضی، نظام حقوق زن در اسلام، ص ۲۱۶۔۱۶۳

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر کی بنیاد متزلزل ہوگئی اور رشتے نابودی کی کگار پر آگئے۔ عورت و مرد کے حقوق کی برابری کا رجحان سبب بنا کہ اقوام متحدہ نے سن ۱۹۷۹ میں قانون تصویب کیا کہ عورتوں کے خلاف ہر قسم کی تبعیض کو ختم کیا جائے حالانکہ زیادہ تر گذشتہ تمدن و ثقافت میں عورتوں کے حقوق کو اندیکھا کیا گیا تھا اور موجودہ تمدن میں بھی آزادی کے نام پر اسے اور بھی غلام بنا دیا گیا۔ اسلام کے حقوقی نظام میں ابتدا ہی سے، خواتین کے حقوق کے حوالے سے افراط و تفریط سے دور حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ پیش نظر مضمون میں اسلامی حقوق کے قوانین و اصولوں کی بنیاد پر گھر میں خواتین کے حقوق اور شوہر کی سرپرستی کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۔ **مالی حقوق میں خواتین کا مستقل ہونا:** اسلام کی نظر میں مالی حقوق کے اعتبار سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا، پوری تاریخ میں خواتین میراث و ملکیت کے حق سے محروم تھیں لیکن اسلام میں خواتین نہ صرف یہ کہ حق ملکیت رکھتی ہیں بلکہ مردوں کی طرح معاشیات میں بھی مستقل ہیں[۱]۔ خواتین کا یہ حق سورہ نسا کی آیت نمبر ۳۴ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ **سیاسی حقوق میں خواتین کا مستقل ہونا:** اسلامی حقوقی نظام میں عورت و مرد مساوی طور پر سیاسی حقوق رکھتے ہیں اور دونوں ہی ان حقوق سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جس دور میں عورت کو حق حیات حاصل نہیں تھا، اس وقت تاریخ اسلام میں جو پہلی بیعت لی گئی وہ بیعت عقبہ یا بیعت النسا ہے جس میں پروردگار نے پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیا: "اے پیغمبر عورتوں سے بیعت لو"[۲]؛ لہٰذا اسلامی نظام میں حرمت کے تحفظ اور عفت و پاکدامنی کا خیال رکھتے ہوئے عورت کا سیاسی امور میں شرکت کرنا بلامانع ہے۔

۳۔ **شوہر کے انتخاب میں خواتین کا مستقل ہونا:** گھریلو حقوق کے اہم اور بنیادی موضوعات میں سے ایک، انتخاب ہمسر کا حق ہے کہ یہ حق عورت و مرد دونوں کے لئے رکھا گیا ہے۔ دیکھا جائے تو نکاح کے دوران جو الفاظ جاری کئے جاتے ہیں اس میں عورت تجویز رکھتی ہے اور مرد قبول کرتا ہے لہٰذا خواتین کی آزادی اور ان کا حق بالکل محفوظ ہے۔ زمانہ جاہلیت کے بہت سے نکاح کو اسلام نے منسوخ کر دیا اور باکرہ لڑکی کی شادی میں ولی

۱۔ اذا بلغت المراۃ وھی رشیدہ دفع الیھا مالھا وجاز لھا ان یتصرف فیہ سوا کان لھا زوج او لم یکن لھا زوج فتصرفھا لا یفتقر الی اذن زوجھا (مہرپور، حسین؛ مباحثی از حقوق زن، ص۳۶۔۳۵)

۲۔ یا ایھا النبی اذا جائك المومنات --- فبایعھن (سورہ ممتحنہ، آیت ۱۲)

کی اجازت کی شرط ایک خاص مقصد اور فلسفہ کی خاطر ہے اور اگر اس حق کا استعمال ولی، لڑکی کی مصلحت میں نہ کرے تو اس سے یہ حق سلب ہو جائے گا ایسی صورت میں لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر شادی کر سکتی ہے۔

گھر کی سربراہی:

گھر اور خاندان میں بیوی کے حقوق کو اندیکھا کرنے کا ایک سبب گھر کی سربراہی ہے اور اسلام نے یہ ذمہ داری مرد کے کاندھوں پر رکھی ہے۔ اس موضوع کا تحلیلی جائزہ لینے کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ گھر میں سربراہ کے ہونے کی اہمیت اور ضرورت پر گفتگو کر لی جائے اور جب یہ ضرورت ثابت ہو جائے تو دیکھیں کہ عورت و مرد میں سے کون اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لئے مناسب ہے؟

کسی بھی جماعت میں نظم وضبط کو قائم کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ اس گھر کی قیادت و سربراہی کے لئے فرد میں کتنی قابلیت اور لیاقت پائی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف گھر کے امور میں بے نظمی، بے تدبیری، بے توجہی، سربراہ کی سستی اور ذمہ داریوں سے غفلت کسی بھی گھر کا شیرازہ بکھرنے کے لئے کافی ہے۔ حضرت علیؑ کے فرمان کے مطابق لوگوں پر حاکم کا ہونا ضروری ہے چاہے نیک ہو یا برا۔[1]

گھر کا نظام بھی اس قانون سے الگ نہیں ہے بلکہ گھر کا ماحول چونکہ انسان کے لئے چین و سکون کا ذریعہ اور گھر کے افراد کے درمیان روحانی، جذباتی اور اخلاقی تعلق برقرار کرنے کی جگہ ہے لہذا اسکی سرپرستی و رہبری نہایت ذمہ داری والا اور ظرافتوں سے بھرا کام ہے۔ روشن ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کے اپنے ہی تقاضے ہوتے ہیں۔ بسا اوقات پابند رہنا پڑتا ہے اور انفرادی آزادی کو سماج و نظام کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔

خلاصہ اگر یہ طے کر لیا جائے کہ عورت و مرد گھر میں مشترکہ فیصلہ کریں اور گھر چلائیں تو پتہ نہیں سلیقوں میں اختلاف کی صورت میں اسے کیسے حل کیا جائے؟ کیا یہ گھرانہ کے حق میں ہے کہ رہائش اور بچوں کی تربیت جیسے مسائل کورٹ کچہری میں حل ہوں؟ کیا اس بنیاد پر گھریلو نظام کے لئے کوئی قانون لکھ سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ مرد کو سرپرستی صرف قانون کے ذریعہ حاصل نہیں ہے بلکہ اس کی شخصیت، اخلاقی خصوصیت، اور اس کی کمائی سے بھی وابستہ ہے اور اس میں معاشرتی کلچر و ثقافت کا بھی نمایاں کردار ہے۔ گھر کا سربراہ کوئی بھی ہو، عادتوں اور خاندان کی رسومات و اقدار سے تجاوز نہیں کر سکتا ہے اور اگر ایسا کیا تو اس کی سربراہی سلب ہو جائے گی۔

۱۔ انہ لابد للناس من امیر بر او فاجر (نہج البلاغہ، خ ۴۰)

گھر کے سربراہ کا تصور: گھر کے سربراہ کا تصور، ہر سماج کی عادتوں اور رسومات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ گذشتہ صدی میں مرد کی سربراہی مطلق اور بغیر کسی قید و شرط کے ہوتی تھی لیکن آج مرد کی سربراہی سماجی ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے زیادہ مشابہ ہے بجائے اسکے کہ انفرادی حقوق کی ادائیگی کرائی جائے اور یہ وہی چیز ہے اسلام میں جسے خاص اہمیت حاصل ہے۔[1]

گھریلو امور کو چلانے میں سب سے پہلے گھر کے افراد سے رائے مشورہ کیا جائے اور نیک برتاو کے ذریعہ فیصلہ لیا جائے اور اگر مشورے سے اختلافی موارد حل نہ ہوسکے تو آخری فیصلہ گھر کے سربراہ یعنی مرد کا ہوتا ہے۔ البتہ واضح رہے کہ اسلام کے مسلمہ اصول کے مطابق کوئی بھی اپنے حق کو منوانے کے لئے کسی دوسرے کو یا عمومی منفعتوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے لہٰذا گھر کا سربراہ بھی اپنا حق منوانے کے لئے عورت کو یا گھر کی بنیاد کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔[2]

گھر میں مرد کی سربراہی پر فقہی دلائل

جیسا کہ بیان ہوا گھر میں مرد کی سربراہی پر فقہی دلیل خود سورہ نسا کی آیت نمبر ۳۴ ہے۔اس وجہ سے منطقی اور اصولی طریقہ سے اس آیت کے فقہی اور تفسیری پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ابتدا میں اس آیت کے بنیادی الفاظ کا جائزہ لیں گے اس کے بعد فقہا اور مفسرین کے نظریات کو بیان کریں گے۔

لفظ رجال: رجال جمع ہے رَجُل کی جس کے معنی مرد کے ہیں۔ماہرین لغت کا کہنا ہے کہ یہ لفظ صرف مذکر چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ "رجال" اپنے تمام مشتقات کے ساتھ ۵۷ جگہ آیا ہے جیسا کہ لفظ "نسا" اور "نسوہ" بھی ۵۷ مرتبہ ہی آیا ہے۔ ۲۴ جگہوں پر واحد کی صورت میں (رجل) اور ۵ مرتبہ تثنیہ کی صورت میں (رجلین/رجلان) اور ۲۸ مرتبہ رجال کی صورت میں ذکر ہوا ہے۔ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ۵۷ موارد میں سے دو مورد کو چھوڑ کر یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ رجال وہی مرد یعنی عورت کی ضد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

البتہ کچھ آیتوں کے سیاق و سباق پر غور و فکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ لفظ رجل ہر جگہ صرف مردوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ جنسیت کو نظر میں رکھے بغیر حکم میں عورتوں کو بھی شامل کرنا ہوگا۔ منجملہ یہ موارد:

۱۔ کاتوزیان، ناصر، فلسفہ حقوق، ص ۱۶۵

۲۔ ایضاً، ص ۱۶۶

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۔ ترجمہ: اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے[۱]۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم بِسِيمَاهُمْ ۔ ترجمہ: اور اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے آواز دیں گے[۲]۔

اصحاب اعراف کون لوگ ہیں اس سلسلہ میں مفسرین میں دس سے زیادہ نظریات پائے جاتے ہیں۔ علامہ طباطبائی المیزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر رجال کا لفظ نکرہ کی صورت میں الف لام کے بغیر آئے تو لغت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ پوری توجہ افراد کی شانیت اور حیثیت پر ہوئی ہے چونکہ عام طور پر رجال ایسے انسان کو کہا جاتا ہے جو ارادہ و تعقل میں قوی و مضبوط ہو جیسا کہ ان آیتوں میں ذکر ہوا ہے:

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله[۳]

وما ارسلناك من قبلك الا رجالا[۴]

وفيه رجال يحبون ان يتطهروا[۵]

ورجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه[۶]

ما لنا لا نرى رجالا[۷]

وان كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن[۸]

لہٰذا رجال سے مراد وہ افراد ہیں جو انسانیت کے لحاظ سے مرتبہ کمال پر پہنچے ہوئے ہیں اگرچہ ان میں بعض خواتین بھی شامل ہوتی ہیں لیکن غلبہ کی وجہ سے مرد کے لئے استعمال ہوا ہے۔

لغت میں لفظ "قوام" کا استعمال: اس لفظ کی جڑ "ق و م" ہے جس کے معنی ہیں کھڑے ہونا اور اس کی ضد ہے بیٹھنا۔ قیوم کی طرح قوام بھی صیغہ مبالغہ ہے ماہرین لغت کے نزدیک قوام صیغہ مبالغہ کی صورت میں نظام، معیار اور خیمہ کے ستون کے معنی میں ہے یعنی کوئی ایسی چیز جو اپنی اولاد کو محفوظ رکھے تاکہ وہ اپنے پیروں

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۴۶
۲۔ سورہ اعراف، آیت ۴۸
۳۔ سورہ نور، آیت ۳۲
۴۔ سورہ یوسف، آیت ۱۰۹
۵۔ سورہ توبہ، آیت ۱۰۸
۶۔ سورہ احزاب، آیت ۲۳
۷۔ سورہ ص، آیت ۶۲
۸۔ سورہ جن، آیت ۲۶

پر کھڑے ہو جائیں۔ اس کے علاوہ دوسروں کو گرنے نہ دے اور ان کی بقااور مسلسل جاری رہنے میں موثر ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی بھی چیز کو باقی اور قائم رکھنے میں تدبیر، دوراندیشی اور صحیح پلاننگ کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں لفظ قوام تین جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔

۱۔ سورہ نساء، آیت نمبر ۳۴

۲۔ سورہ نساء، آیت نمبر ۱۳۵

۳۔ سورہ مائدہ، آیت نمبر ۸

اسی طرح سے لفظ قیوم بھی تین جگہوں پر پروردگار کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ مفسرین اور فقہاء کا ماننا ہے کہ سیاق و سباق کو نظر میں رکھتے ہوئے قرآن مجید میں لفظ "قوام" سیاستمدار، امیر، مدبر، والی، اور امر و نہی کرنے والے کے معنی میں ہے۔

قرآن مجید میں لفظ فضل کا مفہوم: کچھ لوگوں نے بما فضل اللہ کا معنی ظاہر کے برخلاف کیا ہے۔ اُن کا ماننا ہے کہ یہ آیت خواتین پر مرد کی برتری کی جانب اشارہ نہیں کر رہی ہے اور اگر اسے فضیلت ماننا ہی ہے تو یہ ایک وضعی اور توافقی فضیلت ہے جو گھر کے نظام کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ عربی لغت میں فضل، اضافہ، فوقیت، امتیاز اور برتری کے معنی میں آیا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ فضل اپنے تمام مشتقات کے ساتھ ۲۰ مختلف موضوعات میں ۹۹ بار سے زیادہ استعمال ہوا ہے۔ جیسے الہی فضل، انسانوں کی ایک دوسرے پر برتری، انبیا کی دوسروں اور خود ایک دوسرے پر برتری، بنی اسرائیل کی برتری اپنے زمانے کے لوگوں پر، مجاہدوں کی بیٹھنے والوں پر برتری، مرد کی عورت پر برتری اور دوسروں پر برتری کی خواہش کی مناہی۔ قرآن مجید میں لفظ فضل کے استعمال کو دیکھتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ برتری دو طرح کی ہوتی ہے:

الف: اصل خلقت میں تکوینی لحاظ سے برتری۔ یہ برتری انبیا کی برتری اولیائے الہی پر، دوسرے موجودات پر انسان کی اور خواتین پر مرد کی برتری سے مخصوص ہے چونکہ یہ تکوینی امور ہیں لہٰذا پروردگار سے ان کی خواہش کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ب: اکتسابی فضیلت، الہی فیض کا ایک حصہ ہے جو لوگوں کی طلب، حالات اور محنت و مشقت سے حاصل ہوتی ہے:

يبتغون فضلا مّن الله[۱]

واسئلو الله من فضله[۲]

فضیلت کی یہ قسم ہے جس کی خواہش سے روکا نہیں گیا ہے بلکہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار سے چاہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ سورہ نسا کی آیت نمبر ۳۴ اور آیت نمبر ۳۲ کی فکری راہ کو ہموار کرنے کے لئے ہے کہ ولا تتمنوا ما فضل الله۔ اگر یہ قوّامیت (بما فضل الله) میں سے ہے اور پروردگار نے اسے کچھ لوگوں سے مخصوص کیا ہے تو جو اُس سے محروم ہیں انھیں اسے طلب کرنے سے روکا گیا ہے کیونکہ جس چیز کو پروردگار نے کسی سے مخصوص کیا ہے پھر اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی ہے لہٰذا فضل کو فضل ممدوح اور فضل مذموم میں تقسیم کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ فضل پروردگار صرف اور صرف ممدوح اور حَسَن ہے اور قرآن کریم نے جس کی مذمت کی ہے وہ بالادستی اور احساس برتری ہے: ما هذا الا بشر مثلكم يريد ان يتفضل عليكم[۳]۔

سورہ نسا کی آیت قوّامون کے سلسلہ میں مفسرین کے نظریات: آیت کے ذیل میں سب سے پہلے فقہا اور مفسرین کے نظریات کو بیان کریں گے اور اس کے بعد نتیجہ حاصل کیا جائے گا۔

۱. تفسیر الدر المنثور سیوطی: امرا عليهن: خواتین پر حاکم ہونا
۲. تفسیر کشاف زمخشری و تفسیر کنز الدقائق: يقومون عليهن آمرين ناهين كما يقوم الولاه على الرعايا: خواتین کے امور میں انھیں امر و نہی کرنا جیسے حاکم رعایا کے امور میں امر و نہی کرتے ہیں۔
۳. تفسیر شبر: مسلطون على النسا والقائمون بشئوهن: مرد، عورتوں پر مسلط اور ان کے امور کو قائم کرنے والے ہیں۔
۴. تفسیر روح البیان و تفسیر الجواہر طنطاوی: قائمون بامر المصالح...قيام الولاه على الرعيه: مصلحتی امور کو قائم کرنا جیسے حاکم رعایا کے امور کو قائم کرتی ہے۔
۵. تفسیر بیضاوی: فهم كالولاة والنسا كالرعيه: مرد حاکموں کی طرح ہیں اور خواتین انکی رعایا کی طرح۔

۱۔ سورہ جمعہ، آیت ۴
۲۔ سورہ نساء، آیت ۲۲
۳۔ سورہ مومنون، آیت ۲۴

۶. فخر رازی: مسلطون علی ادبھن و الاخذ فوق ایدیھن فکانه تعالی جعله امیرا علیھا و نافذ الحکم فی حقھا: مردوں کو عورتوں پر مسلط کیا گیا ہے تاکہ وہ انھیں ادب سکھائیں۔ مردوں کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے گویا پروردگار نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے اور خواتین کے بارے میں مردوں کے حکم کو نافذ قرار دیا ہے۔

۷. تفسیر المنار: ان من شانھم المعروف والمعھود القیام علی النسا بالحمایة والرعایة و الولایة والکفایة: مردوں کی ایک مشہور شانیت یہ ہے کہ حمایت، رعایت، حکومت اور کفایت کے ذریعہ خواتین کے امور کو قائم کریں۔

۸. تفسیر القاسمی: وھو القائم بالمصالح والتدبیر ای مسلطون علی ادب النسا: مصلحتوں اور تدبیر کو قائم کرنا یعنی خواتین کے امور پر مسلط ہونا۔

۹. تفسیر صافی: قیام الولاہ علی الرعیه: حاکموں کا اپنی رعیت پر مسلط ہونا۔

۱۰. تفسیر المراغی: والمراد بالقیام الریاسة: قیام سے مراد ریاست ہے۔

۱۱. تفسیر تبیان: قوامون بالتادیب والتدبیر: تادیب وتدبیر کے لئے قیام کرنے والے۔

۱۲. تفسیر ابن کثیر و تفسیر روح المعانی: الرجل قیم علی المراۃ، ھو رئیسھا و کبیرھا الحکام علیھا مودبھا: مرد، عورت پر قیّم ہے یعنی اس کا سربراہ اور بزرگ ہے اور اس پر حکومت کا مطلب ہے کہ اس کی تادیب وتربیت کرنا۔

۱۳. تفسیر قرطبیؔ: قوام للمبالغه من القیام علی الشی والاستبداد بالنظر فیه و ھو ان یقوم بتدبیرھا و امساکھا فی بیتھا: قوام، کسی چیز کے قیام کا مبالغہ اور اس میں اپنی رائے کو نافذ کرنا ہے اور وہ اس طریقہ سے ہے کہ عورت کے امور کو تدبیر کرنا جیسے شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی گھر سے باہر نہ جائے۔

۱۴. تفسیر احکام القرآن جصاص: قیامھم علیھن بالذب والتدبیر والحفظ والصیانة: تدبیر، جانبداری، تحفظ اور نگہبانی کے ذریعہ خواتین کے امور کو قائم کرنا ہے۔

۱۵. تفسیر آلاء الرحمٰن بلاغی: القوام کثیر القیام و قام علی الشی فی تدبیرہ و اصلاح شئونه و منه القیم فھم قوامون بحب ناموس الخلقة والفطرة: قوام یعنی کثرت سے قیام کرنا اور کسی چیز کا قیام یعنی

اس کی تدبیر کرنا اور اس کے حالات کی اصلاح کرنا اور اسی باب سے لفظ قیِّم ہے لہٰذا فطری و تخلیقی بنیادوں پر مرد، خواتین کے امور میں قیام کرنے والے ہیں۔

۱۶. تفسیر متشابہ القرآن و مختلفہ ۔ محمد بن علی بن شہر آشوب: الرجال قوامون فیه دلالة علی ان الامامة لا تصلح الا فی الرجل دون النسا و کذلك النبوة: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ امامت و نبوت صرف مردوں کے لئے سزاوار ہے۔

۱۷. محجة البیضاء، فیض کاشانی: الرجال قوامون علی النسا فله ان یودبها و یحملها علی الطاعة قهرا و لکن ینبغی ان یتدرج فی تادیبها: مرد، عورتوں پر قوامیت رکھتے ہیں لہٰذا مرد کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو تادیب و تربیت کرے نافرمانی کی صورت میں اسے اطاعت پر مجبور کرے اور بہتر یہ ہے کہ یہ تادیب تدریجی ہو۔

۱۸. تفسیر المیزان: القیم هو الذی یقوم بامر غیره.. الرجال قوامون علی النسا غیر مقصور علی الازواج بان یختص القوامیة بالرجل علی زوجته بل الحکم مجعول لقبل الرجال علی قبیل النسا فی الجهات العامه: قوام یعنی کسی دوسرے کے امور میں قیام کرے۔ اور آیت شوہر و بیوی سے مخصوص نہیں ہے کہ شوہر بیوی کا حاکم و رئیس ہے بلکہ حکم کو قرار دیا گیا ہے کہ مرد عمومی طور پر عورتوں پر حاکم ہے۔

اب تک مفسر اور مترجم حضرات نے جو بیان کیا ان کے علمی مراتب کے پیش نظر ان کے نظریات کو چند حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف: شیعہ و سنی تمام مفسروں نے لفظ قوام کو امیر، حاکم، مدیر، تادیب پر مسلط، حافظ، اصلاح و تدبیر کا ذمہ دار اور امر و نہی کرنے والا سیاست گزار تفسیر کیا ہے اور اس طرح کی ریاست کو اس چیز سے تشبیہ دی ہے جیسے حاکم اپنی رعایا پر حکمرانی کرتا ہے۔

ب: بعض نے قوامیت کو اسی مشہور معنی میں تفسیر کیا ہے البتہ اس فرق کے ساتھ کہ اس سے مراد وہ سربراہی نہیں ہے جو شوہر اپنی بیوی پر رکھتا ہے اور اسی وجہ سے بیوہ اور غیر شادی شدہ خواتین کو اس سلطہ سے خارج جانا ہے۔ یہ نظریہ استاد شہید مطہری اور استاد جوادی آملی کا ہے۔[1]

۱۔ نظام حقوق زن در اسلام، ص۲۱۷؛ جوادی آملی، عبد اللہ، زن در آئینہ جلال و جمال، ص ۳۹۳

گھر پر مرد کی ریاست

لغت کے اعتبار سے آیت کے الفاظ، قرآنی استعمال اور مفسرین کے نظریات کو جاننے کے بعد آیت کی تجزیہ و تحلیل پیش کی گئی اور پہلے مرحلہ میں سیاق آیت پر توجہ کریں گے۔ سورہ نسا کی آیت نمبر ۳۲ میں ذکر ہوا ہے ولا تتمنوا ما فضل الله۔۔۔ وہ فضیلت و برتری جو پروردگار نے تم میں سے بعض کو دی اور بعض کو نہیں دی تو جسے یہ فضیلت نہیں ملی ہے وہ اس کی تمنا نہ کرے (چونکہ یہ قدرتی و حقوقی فرق سماجی نظام کی بہتری اور عدالت کی بنیاد پر ہے) مرد جس چیز کو حاصل کرتے ہیں وہ اس کے مالک ہیں اور عورتیں جو کماتی ہیں اس کی مالک ہیں کسی کا بھی حق پامال نہ ہو اور پروردگار کے فضل سے درخواست کرو۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۸ میں بھی اسی مضمون کی جانب اشارہ ملتا ہے: وللرجال علیهن درجة۔ مرد، خواتین پر برتری رکھتے ہیں۔ اور سورہ زخرف کی آیت نمبر ۳۲ میں اس برتری اور تفوق کی حکمت بھی بیان ہوئی ہے:

> ”تو کیا یہی لوگ رحمت پروردگار کو تقسیم کررہے ہیں حالانکہ ہم نے ہی ان کے درمیان معیشت کو زندگانی دنیا میں تقسیم کیا ہے اور بعض کو بعض سے اونچا بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں اور رحمت پروردگار ان کے جمع کئے ہوئے مال و متاع سے کہیں زیادہ بہتر ہے“۔

سورہ نسا کی آیت نمبر ۳۲ میں صلاحیتوں کے ذکر کے بعد بلا فاصلہ ارشاد ہوتا ہے: للرجال نصیب۔۔۔۔ مرد اور عورت ہر کسی کو اس کی محنت کا ثمر ملے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے بجائے اس کے کہ جو صلاحیت پروردگار نے نہیں دی ہے اس کی آرزو اور تمنا کی جائے، اللہ کے فضل و کرم سے فائدہ اٹھائیں۔

اور ان تمام باتوں کو بیان کرنے کے بعد آیت نمبر ۳۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

> الرجال قوامون علی النسا بما فضل الله بعضهم علی بعض و بما انفقوا۔
>
> ترجمہ: مرد عورتوں کے حاکم اور نگراں ہیں ان فضیلتوں کی بنا پر جو خدا نے بعض کو بعض پر دی ہیں اور اس بنا پر کہ انہوں نے عورتوں پر اپنا مال خرچ کیا ہے۔

آیت میں عورت پر مرد کی سرپرستی کی جو حکمت اور دلیل بیان ہوئی ہے اس میں دو اہم نکتہ موجود ہے:

پہلا: فطری خوبی اور فطری فرق میں دور اندیشی، غور و فکر اور زندگی کی سختیوں اور مشکلات کے سامنے ڈٹ جانے کی صلاحیت شامل ہے جو عموماً نسوانی دقت نظر، لطافت اور جذباتی احساسات سے مطابقت نہیں رکھتی۔

حضرت علیؑ کی تعبیر کے مطابق عورت پھول کی طرح ہے وہ خادمہ نہیں ہے[1]۔ امام علیہ السلام نے اپنے بلیغ بیان سے واضح کر دیا کہ عورت پھول کی مانند ہے لہٰذا سخت اور طاقت فرسا کام اس کی حساس و لطیف روح سے ساز گار نہیں ہے۔

دوسرا: حق اور ذمہ داری میں تعادل و توازن کی بنیاد پر نفقہ دینا کس کی ذمہ داری ہے، اسے بیان کیا جاتا ہے جب گھر کے تمام اخراجات مرد کے کاندھوں پر ہوں تو حکمت و عدل کا تقاضا یہ ہے کہ گھر کی ریاست کی ذمہ داری بھی اسے ہی دی جائے۔ اس کے علاوہ یہ حق جتنا مردوں کے حق میں ہے اتنا ہی ان کے اوپر ذمہ داریاں لے کر آتا ہے کیونکہ گھر میں کسی بھی مدیر و نگراں کا نہ ہونا واضح طور پر باطل و غلط ہے اور یہ ذمہ داری کسی خاتون کے حوالہ کرنا اس کے زنانہ مزاج اور لطیف روح کے خلاف ہے۔ ساتھ ہی معقول نہیں ہے کہ گھر کے اخراجات کو مرد پورا کرے اور اسے چلانے اور اس کی نگرانی کی ذمہ داری کسی اور کو دی جائے۔

عبد اللہ بن سنان کو لکھے گئے خط میں امام رضاؑ اسی حق اور ذمہ داری کے تعادل و توازن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "اب میراث کے مسائل میں عورتوں کو مردوں سے نصف میراث ملے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت شادی کے بعد لینے والی اور خرچ کرنے والی ہوتی ہے اور مرد دینے والا اسی وجہ سے مرد سے زیادہ عورت بہرہ مند ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ عورت کا شمار مرد کے عیال میں ہوتا ہے لہٰذا مرد کی ذمہ داری ہے کہ اس کی دیکھ بھال کرے لیکن عورت پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور خدا کی بھی آیہ الرجال قوامون علی النسا میں یہی مراد ہے۔"[2]

جیسا کہ بیان ہوا امام رضاؑ آیت بما انفقوا کے ذیل میں حق اور ذمہ داری میں تعادل و توازن کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

شہید مطہری لکھتے ہیں:

> "قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوا ہے بما فضل اللّٰہ بعضھم علی بعض۔ یہ نہیں کہا بما فضل اللّٰہ الرجال علی النسا ۔ یہ اشارہ ہے اس جانب کہ بعض کو بعض پر فضیلت

۱۔ ولا تملك المراة من امرها ما جاوز نفسها فان المراة ريحانة و ليست بقهرمانة، (نہج البلاغہ، نامہ ۳۱) وہ کام جو عورت کی توانائی کے باہر ہو اسے مت دو کیونکہ عورت ایک پھول کی طرح ہے وہ خادمہ نہیں ہے۔

۲۔ حویزی عروسی، علی بن جمعہ؛ تفسیر نور الثقلین، ص ۴۷۷

حاصل ہے یہ نہیں کہا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے چونکہ یہ پیغام دینا مقصد تھا کہ کچھ خصوصیت ایسی ہیں جن کی وجہ سے مرد، عورت پر برتری رکھتا ہے اور کچھ خصوصیت ایسی ہیں جن کی وجہ سے عورت، مرد پر برتری رکھتی ہے۔ اور باہمی طور پر ان دو برتری کا لازمہ یہ ہے کہ مرد، عورت پر حاکم ہو"۔[1]

نتیجہ

اگرچہ آج کل مغرب میں خواتین کے حقوق کے بارے بحث و مناظرے ت نظری اور عمل دونوں میدان میں کافی زور و شور سے ہو رہے ہیں لیکن اسلام کے حقوقی نظام میں یہ موضوع زمان قدیم سے گفتگو کا محور رہا ہے۔ اس تحریر میں گھر میں بیوی کے حقوق، مصلحت اور مفسدہ کی بنیاد پر گھر کی سر براہی، احکام میں واقعیت کی جانب توجہ اور حق و ذمہ داری کے درمیان تعادل و توازن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے نیز اسلام عورت و مرد کو ذاتی مال کے خرچ کرنے، سیاسی حقوق اور ہمسر کے انتخاب میں مساوی جانتا ہے۔

منابع و مآخذ

- آلبر مالہ وژول ایزاک، تاریخ ملل شرق، مترجم عبد الحسین ہژیر، انتشارات معارف، تہران، ۱۳۰۹
- ابن کثیر، حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر، تفسیر ابن کثیر، بیروت
- انصاری، خواجہ عبد اللہ، تفسیر کشف الاسرار، انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۳
- بیضاوی، ناصر الدین عبد اللہ بن عمر شیرازی، تفسیر بیضاوی، موسسہ اعلمی، بیروت، ۱۴۱۰
- مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۷۲
- جوادی آملی، عبد اللہ، زن در آئینہ جلال و جمال، مرکز نشر اسرا، قم، ۱۳۷۶
- حقی، اسماعیل، تفسیر روح البیان، دار احیا التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ق
- حویزی عروسی، علی بن جمعہ، تفسیر نور الثقلین (ج ا) مطبعہ علمیہ، بیروت، ۱۳۸۳
- رازی، ابی بکر احمد بن علی، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب العربی، بیروت
- رشید رضا، محمد، تفسیر المنار،، دار المنار،، قاہرہ، ۱۳۷۴
- زمخشری، حمود بن عمر، تفسیر کشاف، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ق
- سیوطی، عبد الرحمٰن جلال الدین، تفسیر در المنثور، بیروت، ۱۴۰۳

ا۔ میر خانی، عزت السادات؛ رویکردی نوین در روابط خانوادہ، ص ۱۵۹

- شبر، سید عبداللہ، تفسیر شبر، مکتبہ الفین، کویت، ۱۴۰۷
- صحیفہ سجادیہ، مترجم عباد زادہ، انتشارات گلبرگ، قم، ۱۳۷۷
- طبرسی، شیخ ابو علی فضل بن حسن، تفسیر مجمع البیان، دار الفکر، بیروت،، ۱۳۳۹
- طبری، ابن جریر، تفسیر جامع البیان، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵
- طریحی، فخر الدین، مجمع البحرین، مکتبہ الہلال، بیروت،، ۱۹۸۵
- طوسی، محمد بن حسن، تفسیر تبیان، دار احیاالتراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲
- فخر رازی، امام محمد، تفسیر کبیر فخر رازی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۳
- قاسمی، جمال الدین محمد، تفسیر القاسمی، دار الفکر، بیروت،، ۱۳۹۸
- قرطبیؒ، ابن عبداللہ محمد بن محمد انصاری قرطبیؒ، دار احیاالتراث العربی، بیروت، ۱۴۱۶
- کاتوزیان، ناصر، فلسفہ حقوق، شرکت سہامی انتشار، تہران، ۱۳۸۱
- کریسٹین سن، آرتور، ایران در زمان ساسانیان، مترجم رشید یاسمی، انتشارات دنیای کتاب، تہران، ۱۳۷۴
- لاہیجی، بہاالدین محمد، تفسیر شریف لاہیجی، انتشارات علمی، تہران، ۱۳۶۳
- مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، موسسہ الوفا، بیروت، ۱۴۰۳
- مراغی، احمد مصطفیٰ، تفسیر، دار احیاالتراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵
- مطہری، مرتضی، نظام حقوق زن در اسلام، انتشارات صدرا، قم، ۱۳۷۲
- مہرپور، حسین، مباحثی از حقوق زن، موسسہ اطلاعات، تہران، ۱۴۷۹
- میر خانی، عزت السادات، رویکردی نوین در روابط خانوادہ، سفیر صبح، تہران، ۱۳۷۹
- نجفی، محمد حسن، جواہر الکلام، دار احیاالتراث العربی، بیروت، ۱۹۸۱
- نہج البلاغہ، سید رضی، نشر امام علی، قم، ۱۳۶۹
- ویل ڈورنٹ، تاریخ تمدن، مترجم مہرداد مہرین، انتشارات اقبال، تہران، ۱۳۰۹

تعمیر خانوادہ میں عورت کا کردار

مولانا ناظم علی واعظ خیرآبادی

اگر انسانی معاشرہ کے مختلف رخ اور اضلاع ہیں تو اسلامی معاشرہ بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ سماج اور معاشرہ چھوٹی بڑی متعدد اکائیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ خاندان معاشرہ کی سب سے چھوٹی اکائی ہے جو مرد و عورت کی شادی سے شروع ہوتی ہے اور بچوں کی پیدائش سے وسیع اور مستحکم ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے خاندان سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ خاندان کے افراد کا ایک دوسرے سے رابطہ ہوتا ہے اور افراد کے مقاصد اور منافع باہمی اشتراک عمل سے مضبوط ہوتے ہیں۔ یہ معاشرہ رفتہ رفتہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ملکی حدود سے آگے بڑھ کر عالمگیر ہو جاتا ہے اور پوری دنیا ایک معاشرہ کے وسیع دائرہ میں سما جاتی ہے کیونکہ بنی آدم جناب آدمؑ و حواؑ کی اولاد ہونے کی بنا پر ایک معاشرہ کا جزو ہوتے ہیں۔

چونکہ اسلام کو دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں بہت سے امتیازات کے ساتھ یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ یہ ایک معاشرتی اور سماجی دین ہے اس لئے اس نے صرف انسان کی انفرادی، روحانی اور تکمیل خواہشات نفسانی کیلئے ہی نظام اور قانون نہیں بنایا بلکہ دوسروں کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے اصول سے بھی باخبر کیا ہے۔ اسلام کے کسی حکم کے بارے میں جب تفکر اور تدبر سے کام لیتے ہیں تو اس کا تعلق سماج اور معاشرہ سے ضرور ملتا ہے اور کم سے کمتر کوئی ایسا حکم ملے گا جس کا تعلق صرف ایک فرد سے ہو اور دوسروں سے چشم پوشی کی گئی ہو۔ خداوند عالم کی معرفت اور عبادت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اسے سماج اور معاشرہ سے الگ رہنے کا ذریعہ نہیں بنایا گیا کہ رہبانیت اور گوشہ نشینی اختیار کرلے اور دنیا سے بے تعلق ہو جائے بلکہ دوسروں کی مشکلوں میں ہاتھ بٹانے، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے اور صحیح طریقہ پر دنیاوی امور بجالانے کو بھی عبادت قرار دیا گیا ہے تاکہ انسان خصوصا مسلمان بیگانہ نہ ہو جائے۔

اسلام خاندان کے نظم و انضباط اور بنیاد کے استحکام کو مرد و عورت، شوہر و زوجہ کے درمیان حسن اخلاق کو قرار دیتا ہے اور ان کیلئے حقوق اور فرائض کو معین کرتا ہے کیونکہ سماج اور معاشرہ حقوق کی ادائیگی اور فرائض کی بجاآوری کے بغیر سکون و اطمینان کی فضا میں سانس نہیں لے سکتا۔

اس مقالہ کا موضوع "عورت اور خاندان" ہے اس لئے وسیع ترین معاشرتی اصول حیات کے بجائے صرف اس بنیاد کے خصوصیات، فرائض اور حقوق کا تذکرہ کیا جارہا ہے جس پر خاندان کی عمارت تیار ہوتی ہے۔

در حقیقت عورت معاشرہ کا سنگ بنیاد ہے۔ ماہرین حیات اور اس کا تجزیہ و تحلیل کرنے والے دانشوروں نے ایک عورت کی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جب وہ دنیا میں آتی ہے تو کسی ماں باپ کی بیٹی ہوتی ہے اور جب سن بلوغ کو پہونچنے کے بعد کسی مرد کے رشتہ میں منسلک ہوتی ہے تو زوجہ بنتی ہے اور شریک حیات ہو جاتی ہے اور جب اپنی اولاد کو جنم دیتی ہے تو ماں کہلاتی ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے وہ کسی بھائی بہن کی بہن بھی ہوتی ہے۔ پہلا وہ دور ہوتا ہے جب وہ کسی دوسرے خاندان کی ایک فرد ہوتی ہے اور دوسرے تیسرے مرحلہ میں جدید خانوادہ کی تشکیل کرتی ہے۔ اس نئے مرحلہ میں اس کے حقوق و فرائض دوسرے مراحل کے مقابلہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن تمام مراحل میں خاندان کو آبرومند اور مثالی بنانے میں اس کا اہم کردار ہوتا ہے، ایسی صورت میں عورت خانوادہ کو حسن و جمال اور خوبی و کمال سے آراستہ کرنے میں عظیم اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

اسلام سے قبل عورت کی کوئی اہمیت اور حقیقت نہیں مانی جاتی تھی۔ عورت کو حقیر اور کمزور سمجھا جاتا تھا۔ اگر بیٹی پیدا ہوتی تو جاہلیت اور جہالت کی گود میں پلنے والے باپ اسے زندہ در گور کرنے میں عزت خیال کرتے تھے۔ اسلام نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور عملی اقدام کے ذریعہ اس انسانیت کش اور بدترین طریقہ کا خاتمہ کیا اور اسے فطری حق حیات دے کر عظمت و منزلت سے سرفراز کیا۔

جدید خانوادگی زندگی کا آغاز مرد و عورت کے درمیان رشتہ ازدواج کے قائم ہونے سے ہوتا ہے اس لئے اسلام نے خانوادہ کی فلاح و بہبود کے پیش نظر عورت کے انتخاب میں بھی نہایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے اصول و ضوابط معین کئے ہیں۔

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

تَزَوَّجُوا الوَدُوْدَ الوَلُودَ... سوداءُ وَلُودٍ خَيْرٌ مِنْ حَسْنَاءِ عَقِيْمٍ۔

ترجمہ: محبت کرنے والی، اولاد کو جنم دینے والی عورت سے رشتہ کرو، وہ سیاہ فام عورت جو اولاد عطا کرنے والی ہو ان حسین عورتوں سے بہتر ہے جو اولاد نہیں پیدا کر سکتی ہوں[1]۔

۱۔ جامع الاخبار، ص ۱۲۷

ایک دوسری حدیث میں ازدواج کی جانب رغبت دلاتے ہوئے فرمایا ہے: " تَزَوَّجْ وَ إِلَّا فَأَنْتَ مِنْ إِخْوَانِ الشَّيَاطِينِ "[۱]۔ دوسری حدیث میں "وَإِلَّافَأَنْتَ مِنَ الْمُذْنِبِينَ" یا "وَإِلَّافَأَنْتَ مِنَ رُهبَانِ النَّصارىٰ"۔ یہ ارشاد پیغمبرؐ نے اس شخص سے فرمایا جو مستطیع اور مستغنی تھا کہ تم شادی کرلو ورنہ تم شیاطین کے بھائیوں میں سے یا گناہگاروں میں سے یا عیسائی راہبوں میں سے ہوگے۔

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَ جَمَالِهَاوَ نَسَبِهَا وَ لَذَّتِهَا فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّيْنِ

ترجمہ: عورت سے نکاح اس کے مال، جمال، نسبت اور لذت کیلئے نہ کرو بلکہ تمہارے لئے لازم ہے کہ دیندار عورت سے نکاح کرو[۲]۔

دور حاضر میں دینداری کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی ہے مال پر نگاہ کی جاتی ہے یا حسن و جمال کو مد نظر رکھا جاتا ہے، نسبت اور ہڈی کا خیال ہوتا ہے اور جنسی لذت اندوزی کا تصور ذہن میں رہتا ہے۔

امام باقرؑ نے فرمایا ہے:

إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ رَجُلٌ فَرَضِيْتُمْ دِيْنَه وَ أَمَانَتَه، فَزَوِّجُوهُ وِ إِلَّا تَفْعَلُوه تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ۔

ترجمہ: جو شخص تمہارے پاس لڑکی کی خواستگاری کیلئے آئے تو اس کا دین اور امانتداری پسندیدہ ہو، تو اپنی لڑکی کی اس کی اس سے تزویج کردو اور اگر ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ و بڑا فساد ہوگا[۳]۔

امام رضاؑ نے فرمایا ہے:

إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ رَجُلٌ رَضِيْتَ دِيْنَه وَ خُلُقُه فَزَوِّجْهُ وَ لَا يَمْنَعَكَ فَقْرُه وَفَاقَتُه قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالىٰ وَ إِنْ يَّكُوْنُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ ترجمہ: جب تم سے کوئی شخص تمہاری لڑکی کو رشتہ میں طلب کرے اور تمہیں اس کا دین اور اخلاق محبوب ہو تو اس سے رشتہ کردو اس کا فقر و فاقہ تمہیں نہ روکے۔

۱۔ جامع الاخبار، ص ۱۲۷
۲۔ ایضاً
۳۔ مرزا حسین نوری، مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۱۸۹

خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اگر وہ فقیر ہوں گے تو انہیں خدا اپنے فضل و کرم سے غنی بنا دے گا، اللہ بہترین وسعت اور علم والا ہے[1]۔

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی دین، اخلاق اور امانت کی بنیاد پر کرنا چاہئے، مال و جمال، نسب اور لذت کی بنا پر نہ کرنا چاہئے کیونکہ اگر دین کی بنیاد پر رشتہ نہ ہو گا تو فتنہ و فساد پیدا ہو گا اور ازدواجی زندگی میں سکون واطمینان کی فضا نہیں قائم ہو سکتی۔ موجودہ زمانہ میں مغرب زدگی کی وجہ سے دین سے بیزاری کرائی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں خانوادہ کی زندگی میں بے راہ روی، اضطراب، مادی اور معنوی بے چینی بڑھتے بڑھتے بے تعلّقی اور تفرقہ تک پہونچتی ہے۔

ازدواج سے قبل شوہر و زوجہ دو روح اور دو جسم کے حامل ہوتے ہیں اور بعد ازدواج دو جسموں میں ایک روح کے مثل ہو جاتے ہیں اور جب ایک روح جیسے ہوتے ہیں تو فائدہ اور نقصان میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں اور چونکہ اسلام نے دونوں کو ایک دوسرے کیلئے لباس قرار دیا ہے تو دونوں باہم محافظ راز ہوتے ہیں اور دونوں تمام حالات میں محرم ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کے سورہ نسا آیت ۳۴ میں ارشاد ہوا ہے:

فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ ۔ترجمہ: صالح عورتیں شوہر کی غیبت میں اپنی عفت اور شوہر کے مال وآبرو کی محافظ ہوتی ہیں۔

امام صادقؑ نے ایک شخص سے جو شادی کرنا چاہتا تھا فرمایا:

أُنْظُرْ أَيْنَ تَضَعُ نَفْسَكَ وَ مَنْ تُشْرِكُهُ فِي مَالِكَ وَ تَطَّلِعُه عَلٰى دِيْنِكَ وَ سِرِّكَ۔

ترجمہ: اس پر نظر رکھو کہ تم اپنی شخصیت کو کس مقام پر رکھ رہے ہو اور کس کو اپنے مال میں شریک بنا رہے ہو اور کسے اپنے دین و راز سے آگاہ کر رہے ہو[2]۔

اسلام نے خانوادہ کی بنیادوں کی حفاظت کے لئے مرد و عورت کے درمیان حسن سلوک کو بے حد اہم قرار دیا ہے اور دونوں کے مشترک اور کچھ مخصوص حقوق اور فرائض قرار دئے ہیں۔

۱۔ مرزا حسین نوری، مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۱۸۸

۲۔ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۱۵

مشترکہ فرائض میں چند امور کی حیثیت بنیادی ہے

۱۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۔ترجمہ: عورت و مرد ایک دوسرے کے ساتھ معروف (نیکی کے ساتھ) سلوک کریں[۱]۔

معروف وہ تمام امور ہیں جن کا خدا نے حکم دیا ہے اور بہترین امت سے تاکید کی ہے کہ وہ امر بالمعروف سے گریز نہ کریں۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

أَكْمَلُ الْمُومِنِينَ اِيْمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً وَ خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ۔

ترجمہ: ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ مکمل وہ انسان ہے جو حسن اخلاق رکھتا ہو اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کریں[۲]۔

۲۔ شوہر و زوجہ ایک دوسرے کی اپنی جانب توجہ مبذول کرنے کیلئے اسلامی اخلاق و اطوار کو بروئے کار لائیں۔ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص) لِيَتَهَيَّأَ أَحَدُكُم لِزَوْجَتِهِ كَمَا تَتَهَيَّأُ زَوْجَتُهُ لَهُ[۳]۔

ترجمہ: رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنی بیوی کیلئے آمادہ و تیار رہنا چاہئے جیسے بیوی خود کو شوہر کیلئے تیار کرتی ہے۔

۳۔ زوجین کو چاہئے کہ ایک دوسرے کی جنسی خواہش کو پورا کرنے کیلئے حالات کی صحت اور درستگی کے ساتھ تیار رہیں اور ایک دوسرے کیلئے خاص حالات کے علاوہ رکاوٹ نہ بنیں۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص) لِلنِّسَاءِ لَا تطولَنَّ صَلَاتَكُنَّ لِتَمْنَعَ اَزْوَاجَكُنَّ۔ترجمہ: اپنے شوہر کو جنسی عمل سے روکنے کیلئے نماز کو طول نہ دو[۴]۔

۴۔ اولاد کی تربیت اور پرورش کی ذمہ داری شوہر اور زوجہ دونوں پر ہے تو دونوں کو ہمفکر ہو کر باہمی تعاون سے بحسن و خوبی اسے انجام دیں۔

۱۔ سورہ نساء، آیت ۱۹
۲۔ علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۳۸۹
۳۔ مرزا حسین نوری، مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۲۹۶
۴۔ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج ۲۰، ص ۲۴۶

شوہر کے مخصوص فرائض اور حقوق

۱۔ خداوند عالم نے شوہر کو خاندان کا سرپرست قرار دیا ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ .....

ترجمہ: مردوں کو عورتوں پر سرپرستی حاصل ہے کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے اور چونکہ مردوں نے اپنا مال عورتوں پر خرچ کیا ہے تو نیک بیویاں شوہر کی اطاعت گزار ہوتی ہیں اور جس طرح خدا نے حفاظت کی ہے وہ بھی شوہر کی غیبت میں ہر چیز کی محافظ ہوتی ہیں[۱]۔

مرد کی سرپرستی کا مطلب یہ ہے کہ خاندان کے اخراجات کو پورا کرے۔ اس کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اس کی دینی اخلاقی دیکھ بھال اور برائیوں سے روکنے کی صالح تدبیر کرے۔

۲۔ اسلام نے عورت کا نفقہ شوہر پر واجب قرار دیا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

يُشْبِعُ بَطْنَهَا وَ يَكْسُوهَا وَ إِنْ جَهِلَتْ غَفَرَ لَهَا۔ ترجمہ: عورت کیلئے کھانا، لباس (مکان) فراہم کرے اور اس کی غلطی سے در گزر کرتا رہے[۲]۔

۳۔ شرعی اور اخلاقی امور کی جانب توجہ رکھے، خود تعلیم دے یا دوسروں کے ذریعہ تعلیم کا بند و بست کرے کیونکہ شرعی اور اسلامی احکام سے دوری انسان کو ایسے گناہ میں مبتلا کرتی ہے جو جہنم میں جانے کا سبب ہوتا ہے اور خدا نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچائیں۔[۳]

۱۔ سورہ نساء، آیت ۳۴

۲۔ حسن ابن فضل طبرسی، مکارم اخلاق، ج ۱، ص ۲۴۸

۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَ أَهْلِيكُمْ نَارًا (سورہ تحریم، آیت ۶)

عورت کے مخصوص حقوق وفرائض

قرآن کریم اور احادیث کا مطالعہ با خبر کرتا ہے کہ نیک خاتون وہ ہے جو تمام جائز اور صحیح کاموں میں شوہر کی تابعدار، امانتدار، راز و مال شوہر کی محافظ، عفت و پاکدامن، گھر سے باہر نکلتے ہوئے شوہر کی اجازت و رضامندی، گھرداری اور بچوں کی پرورش میں حتی الامکان کوشش، پریشانیوں میں شوہر کی دلجوئی اور مدد کرتی ہو۔

حضرت علیؑ نے عورت کے تمام خصوصیات کو ایک جملہ میں جمع کر دیا ہے:

جِہادُ الْمَرأَةِ حُسْنُ التَّبَعُّلِ[۱]۔

ترجمہ: عورت کا جہاد یہ ہے کہ شوہر داری میں حسن عمل و اخلاق برتے۔

نیز امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"مسلمانوں کیلئے اسلام کے بعد سب سے اچھا تحفہ اچھی زوجہ ہے جس کو دیکھنے سے دل خوش ہوتا ہے جو اس کی اطاعت گزار ہے اور اس کی غیر موجودگی میں اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔"

امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے:

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ جَاءَتْ إِمْرَأَةٌ عَلَى النَّبِيِّ (ص) فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) مَا حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ؟ فَقَالَ لَهَا: أَنْ تُطِيْعَه وَ لَا تَعْصِيْه وَ لَا تَصَدَّقُ مِنْ بَيْتِهٖ إِلَّا بِإِذْنِه وَ لَا تَصُوْمَ تَطَوُّعاً إِلَّا بِإِذْنِه وَلَا تَمْنَعُهٗ نَفْسَهَا وَإِنْ كَانَتْ عَلٰى ظَهْرِ قتب وَلَا تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا إِلَّا بِإِذْنِه۔

ترجمہ: ایک عورت رسول خداؐ کی خدمت میں آئی اور کہا یا رسول اللہ عورت پر مرد کا کیا حق ہے؟ فرمایا کہ شوہر کی اطاعت میں رہے۔ اس کی نافرمانی سے بچے۔ اس کی اجازت کے بغیر صدقہ نہ دے۔ اس کی مرضی کے بغیر مستحبی روزہ نہ رکھے۔ اس کو جنسی لذت سے نہ روکے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے[۲]۔

۱۔ علامہ مجلسی، بحارالانوار، ج ۱۰۳

۲۔ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج ۲۰

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- نہج البلاغہ، ترجمہ مفتی جعفر
- وسائل الشیعہ، حر عاملی
- جامع الاخبار، جعفر، محمد شعیری
- مستدرک الوسائل، میرزا حسین نوری
- بحار الانوار، علامہ مجلسی
- مکارم الاخلاق، حسن بن فضل طبرسی
- سفینۃ البحار، شیخ عباس قمی

اسلامی ثقافت میں عائلی نظام کے استحکام کے اسباب و عوامل

مؤلف: صالح حسن زادہ
مترجم: فیضان جعفر علی

خلاصہ

عالم بشریت کے تمام سماج و معاشروں میں خانوادے کو ہمیشہ معاشروں کی تشکیل کا بنیادی ڈھانچہ اور تہذیب وثقافت کا سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے۔ایسے بنیادی ڈھانچے کی تشکیل کے بارے میں گفتگو کرنا اور ساتھ ہی اس کے اصلی مقام ورفعت کی وضاحت کرنا عائلی نظام کی اصلاح کا سبب بنتا ہے اور دوسری طرف اس بنیادی ڈھانچے سے غفلت ،انسانیت کو اس کی حقیقی زندگی سے دور کرنے کے ساتھ اس کو ضلالت و گمراہی کے دہانے پر پہنچانے کا سبب بنتی ہے۔ہر انسان اپنی زندگی میں دوسروں کے اثرات کو قبول کرتا ہے اور اس کے اعمال وکردار دوسروں پر اثرانداز بھی ہوتے ہیں۔خانوادے اور گھرانے کے اندر تربیت پانے والی کسی کی شخصیت و خصلت کی نشو و نما میں والدین سے لے کر بچوں تک سبھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ معاشرے کا ماحول، میڈیا، پریس ، الغرض سماج و معاشرے میں موجود تمام عناصر کسی فرد کی روحانی و شخصی نشو ونما میں موثر ثابت ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ تشکیلات کی مذکورہ صورت ،انسانی زندگی کی تمام جہات میں واضح طور پر قابل مشاہدہ ہے تاہم اس عمل کی انجام دہی اور اس کے طریقے، بہت سے معاملات میں نظروں سے اوجھل بھی رہتے ہیں۔

عائلی نظام کو مستحکم و مضبوط بنانے میں اہم ترین اسباب و عوامل کو اس مقالہ میں جگہ دی گئی ہے ۔مثلا گھرانے میں اچھا باہمی میل ملاپ، نظم وضبط کا وجود، باہمی مشاورت ،زندگی میں صبر واستقامت، عفوو بخشش کا جذبہ کارفرما ہونا، صداقت و دیانتداری کی فضا کا ہموار ہونا، بدگمانی اور حسد جیسی آفت سے اجتناب، رازداری و وفاداری کا پایا جانا، بغیر کسی غرور و تکبر کے آرام وسکون اور حلم وبردباری کے ساتھ رہنا، عذاب الٰہی کا خوف، افراط و تفریط سے پرہیز کرنا، تواضع وانکساری، سختی اور اسراف سے دوری بنائے رکھنا اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا وغیرہ یہ سبھی ایک گھرانے اور عائلی نظام کی مضبوطی اور استحکام کے اسباب و عوامل ہیں۔

زیر نظر مقالے میں اسلام کے مآخذ اور اسلامی مفکرین کے آثار کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلامی ثقافت میں عائلی استحکام کے اسباب و عوامل پر بحث و گفتگو کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: شادی، نمونۂ عمل، استحکام، خانوادہ، قرآن، اسلامی اخلاق، اسلامی ثقافت

اسلام نے انسان ساز مکتب کے طور پر خانوادے کی عزت و پاکیزگی اور سربلندی پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے اور اس مقدس نظام کو تربیت کا مرکز اور رحم و کرم کا گہوارہ قرار دیا ہے اور انسانی معاشرے کی خوشحالی اور بدحالی کو اسی خانوادگی نظام کی بھلائی اور بدعنوانی پر منحصر جانا ہے اور کسی شخص کی مادی، جذباتی اور روحانی و معنوی ضروریات کو پورا کرنا بشمول امن و سکون خانوادے کی تشکیل کا مقصد سمجھتا ہے۔ خانوادہ ان لوگوں کے ایک گروہ کو کہتے ہیں جو نسب یا سبب اور رضاعت کے ذریعہ بعنوان شوہر، بیوی، بچے، ماں، باپ، بھائی اور بہنیں ہیں اور باہمی تعلق خانوادہ کے نام سے اپنی ایک خاص مشترکہ ثقافت وجود میں لاتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مرد و عورت ایک خانوادے کی تشکیل کے اہم رکن ہوتے ہیں جن کی شادی سماجی رسم و رواج کے مطابق ہوتی ہے اور پھر ان کے درمیان ایک بچہ یا کئی بچوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔[1]

دراصل خانوادہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو شادی، خونی رشتے یا بچوں کو گود لینے کے ذریعہ بعنوان عورت، ماں، باپ، شوہر، بھائی، بہن اور فرزندوں سے باہمی تعلق رکھتے ہوئے ایک مشترکہ ثقافت کو وجود میں لاتے ہیں اور جن کا خود اپنا ایک خاص ماحول ہوتا ہے[2]۔ یعنی خاندان کی ایک جماعت ہے جن کے آپسی روابط و تعلقات کی بنیاد خونی رشتوں پر ہوتی ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوتے ہیں[3] لہٰذا خانوادہ ایک ہی جگہ میں رہنے والے کئی لوگوں کا گہرا اور مستحکم جسمانی اور ذہنی تعلق کا نام ہے جس کے بغیر خانوادے کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ اس نظام کی بنیاد اس کے اراکین کے تعلقات کی کیفیات پر منحصر ہے، اس لئے خانوادے کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے درمیان رشتوں کو مضبوط بنانے پر زور دیا جائے اور خانوادے میں یہی باہمی تعلقات کی مضبوطی ہی اس کے ہر فرد کی بہتر صحت اور نشو و نما کے ساتھ معاشرے میں ہمہ جہت ترقی کا سب سے اہم مسئلہ ہوتی ہے۔

۱۔ بہشتی، احمد، خانوادہ در قرآن، ص ۴

۲۔ جہانفر، محمّد، مبانی جمعیت شناسی، ص ۱۲۱

۳۔ ایضاً

عائلی نظام کے استحکام میں اخلاق کی تاثیر

اخلاق کا تعلق انسان کے باطن سے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح اس کی خلقت کا تعلق ظاہری چیزوں سے ہوتا ہے۔ انسان کے اندر پائی جانے والی خواہشات، مہارت اور معنوی و باطنی صفات کو ہی اخلاق کہا جاتا ہے اور جو عمل ان صفات سے صادر ہوتے ہیں انھیں بھی اخلاق کہتے ہیں[1]۔

غزالی بھی "نفسانی قوت کی اصلاح" کو اخلاق مانتے ہیں اور ان کا ماننا ہے کہ اخلاق، نفس میں موجود ایک ایسی پختہ مجموعی حالت ہے جس کے سبب انسان بڑی آسانی اور بغیر کسی غور و فکر کے عمل انجام دے سکتا ہے اور یہی وہ حالت ہے جو پسندیدہ اعمال کے صادر ہونے کا راستہ فراہم کرتی ہے اور برے اعمال سے پرہیز کی صورت میں صادر ہوتی ہے[2]۔

اخلاق کی مذکورہ تعریفوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اخلاق اور خاندان کے مابین روابط کا ہونا ضروری و لازمی ہے کیوں کہ انسان خانوادے کے منظّم و پر سکون ماحول ہی میں رہ کر علم حاصل کرنے پر قادر ہے اور اپنی صفات میں کمال پیدا کر سکتا ہے، ساتھ ہی اپنے اندر موجود خامیوں کو دور کر سکتا ہے۔ لہٰذا جو انسان کمال کی تلاش میں ہے اور اپنے اندر پائی جانے والی کمزوریوں اور خامیوں سے دوری اختیار کرنا چاہتا ہے وہ خانوادہ میں اپنی موجودگی اور افراد کے درمیان اپنے روابط کو مستحکم کرنے کا خواہشمند ہوگا۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عائلی نظام کا استحکام اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کے بقیہ تمام اعضا و اراکین اخلاقی پابندیوں کو بروئے کار لاتے ہوں اور کج رویوں سے اجتناب کرتے ہوں۔

عائلی نظام کے استحکام کی اہمیت

"عائلی استحکام" کی اہمیت کا تعلق اس کے نظام کی اہمیت سے جڑا ہوا ہے۔ خاندان کا یہ مقدس نظام انسانی معاشرے کا بنیادی ستون اور مختلف ثقافتوں کا علمبردار ہے تاہم قوموں کی خوشحالی اور بدحالی کا دارومدار خانوادے کی حکمت عملی اور غلطی پر ہے۔ صحت مند اور متحرک معاشرے کی پہلی شرط خانوادے کی سلامتی اور اس کا استقلال ہے۔ بنی نوع انسان کی تمام تر سائنسی اور علمی کامیابیاں، سالم اور محفوظ خانوادوں کے سائے میں ہی نمودار ہوئی ہیں۔ قرآن مجید (جو زندگی کا بہترین نسخہ اور بنی نوع بشر کے لئے ایک اچھی زندگی گزارنے کا بہترین رہنما ہے) اس کی آیات کا ایک بڑا حصہ خانوادے کے افراد کے تعلقات اور میاں بیوی اور بچوں کے حقوق و فرائض کو منظّم

۱۔ مہدوی کنی، محمّد رضا، نقطہ ہای آغاز در اخلاق عملی، ص ۱۳

۲۔ غزّالی، محمّد، کیمیای سعادت، ج ۲، ص ۳۶-۱

کرنے کے بارے میں ہے۔ اگر انسان ان الٰہی آیتوں کی طرف رجوع کرے تو وہ متوجہ ہوگا کہ یہ آیات خانوادے کو مضبوط کرنے میں بہترین معاون و مددگار ہیں۔ قرآن کی بعض سورتیں خانوادگی مسائل کو خاص انداز میں بیان کرتی ہیں جیسے سورۂ نساء، سورۂ انسان، سورۂ تحریم اور سورۂ طلاق وغیرہ۔ خانوادہ کی تشکیل اور اس کے قیام کی ضرورت کا تقاضہ ہے کہ خانوادے کے بانیان یعنی میاں بیوی، عائلی نظام کو مستحکم اور برقرار رکھنے کے لئے اپنی پوری کوشش کریں اور خاندان کی تشکیل کے ہدف کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نظام کی پائیداری اور استحکام پر مسلسل توجہ دیں تاکہ خانوادگی نظام کے اتحاد اور اس کے تسلسل کو آخر تک محفوظ رکھا جاسکے۔

خانوادہ انسانی معاشرے کا سب سے بنیادی نظام ہے جو افراد اور انسانوں کی تربیت و ترقی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر لوگ خانوادے کو مضبوط نہیں کرسکتے اور اس میں مومن افراد کی تربیت نہیں کرسکتے تو وہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک آئیڈیل اور مثالی معاشرہ نہیں بنا سکتے جس کے نتیجے میں وہ اپنے ایمانی کلچر سے پیچھے رہ جائیں گے اور اپنے بلند مقاصد تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ خاندان کو مضبوط و مستحکم بنانے کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد کے مابین اعتدال کے ماحول کو بنائے رکھا جاسکے، اخلاق کی حکمرانی قائم کی جاسکے اور تمام افراد کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکے۔ قرآن کے فرمان کے مطابق اگر شادی اور خانوادے کی تشکیل کا ہدف خانوادے کے اعضاء کی سلامتی ہو تو ضروری ہے کہ تمام رویے اور تعاملات اسی مقصد کے حصول کے مطابق انجام دیئے جائیں۔

شادی۔ عائلی نظام کے استحکام کا پہلا قدم

شادی انسانوں کے لئے کوئی خاص اور منفرد واقعہ نہیں ہے لیکن یہ انسانوں کے اندر انسانیت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ اور عظیم مقاصد کے حصول کا پیش خیمہ ہے۔ اب تک مرد اور عورت کے تعلقات میں شادی سے بہتر کوئی چیز ایجاد نہیں کی جاسکی ہے کہ جس کے ذریعہ جنسی خواہشات، محبت اور فرزند جیسی سعادت کے درمیان ایک تعلق قائم ہوتا ہے۔ محبت کے بغیر زندگی گزارنا ناممکن نہیں لیکن مشکل ضرور ہے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا:

"اسلام میں شادی کے ذریعہ آباد ہونے والے گھر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے"[۱]۔

شادی کے بارے میں سورہ روم کی آیت ۲۱ میں ارشاد ہوتا ہے:

"خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ذریعے سکون حاصل کر سکو اور تمہارے درمیان الفت و محبت

۱۔ مشکینی، علی، ازدواج در اسلام، ص ۱۱

کے بیج بوئے ہیں تاکہ یہ زندگی کی بقاء کا ذریعہ ہوسکے۔ اس معاملے میں خدا کی نشانیاں دانشوروں پر ظاہر ہیں"۔

ان الٰہی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر انسان خلقت کے اعتبار اپنی نوعیت کا ایک شریک پاتا ہے تاکہ تناسل و تولید کا سلسلہ چلتا رہے اور انھیں اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے محتاج رہیں اور کمال کو پہنچنے میں ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت رہے۔ اور یہی وہ جنسی میلان ہے جسے خدا نے ان دونوں کو امانت کے طور پر حوالے کیا ہے[۱]۔

ان آیات اور روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شادی یا نکاح ہمبستر ہونے کا ایک ایسا عمل ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے اور اسے صرف شہوت و لذت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ حجاب سے متعلق تمام احکام، ہمبستری کا طریقہ اور یہ کہ ہر عورت اپنے شوہر کے ساتھ مخصوص ہے نیز طلاق، عدت، اولاد، وراثت اور اس طرح کے دیگر احکامات جو اسلام نے مقرر کئے ہیں، وہ سبھی اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمبستری کے اس عمل کو کھیل سمجھا جائے ۔ لیکن موجودہ مغربی تہذیب میں مردوں اور عورتوں کے درمیان جنسی تعلقات سے متعلق جو قوانین نظر آتے ہیں اس میں مرد و عورت کے درمیان ہمبستری کے عمل کو صرف عیش و عشرت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے جس کا مشترکہ عائلی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور ان کے قوانین میں عفت، حجاب، اختصاص وغیرہ کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے[۲]۔

شادی کے بارے میں اسلامی قوانین اور غیر اسلامی قوانین میں مذکور اختلافات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی قوانین کی بنیاد بنی نوع بشر کے حقیقی مفاد و مفاسد پر ہے جن کا بنانے والا خداوند عالم ہے۔ اسی لئے وہ مختلف امور کی تبدیلیوں کا نشانہ نہیں بن پاتا جب کہ مغرب میں سیکولر قوانین کی تکیہ گاہ انسان پرستی اور ہیومنزم ہے جو انسان اور مادی دنیا کی ایک مخصوص تعریف سے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ صرف مادی پہلو پر غور کرتے ہیں اور صرف اسی دنیا کو مد نظر رکھتے ہیں۔ وہ انسان کی ہمہ جہت نیک بختی و سعادت کو نظر میں نہیں رکھتے[۳]۔

خانوادہ چونکہ عمومی عفت کے تحفظ کا بہترین ذریعہ ہے لہٰذا اسلام اس عائلی نظام کو تشکیل دینے کی ترغیب دیتے ہوئے فطرت کی آواز کا مثبت جواب دیتا ہے اور شادی کو صالح اولاد پیدا کرنے اور نسلوں کی بقاء کے تحفظ

۱۔ طباطبائی، محمّد حسین، المیزان (ج ۲)، ص ۴۱۸

۲۔ غلامی، یوسف، اخلاق و رفتارہای جنسی، ص ۱۶۳۔۱۲۷؛ رحیمی یگانہ، زہرا، خانوادہ موفّق، ص ۱۰۲۔۹۹

۳۔ مطہری، مرتضی، نظام حقوق زن در اسلام، ص ۱۲۲۔۱۰۲؛ جوادی آملی، عبداللہ، زن در آینہ جلال و جمال، ص ۳۹۹۔۳۹۳

کا واحد ذریعہ تسلیم کرتا ہے تاہم اس فطری چیز کی راہ میں کوئی پریشانی پیدا نہیں کرتا بلکہ اس قدرتی قوت کو معاشرے کے فائدے اور انفرادی زندگی کے لئے بھی قابل استفادہ قرار دیتا ہے۔اور ازدواجی زندگی میں جسمانی سکون پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ شادی کے سائے میں ذہنی، اخلاقی اور فکری سکون بھی فراہم کرانا چاہتا ہے جو انسانی سعادتمندی کی اساس ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دور میں ازدواجی بندھن اس قدر کمزور اور غیر پائیدار ہو چکے ہیں کہ فضول اور چھوٹے واقعات کی وجہ سے بڑی آسانی سے توڑ دیئے جاتے ہیں کیونکہ ایسے بندھنوں میں زندگی کی حقیقتوں پر توجہ نہیں دی جاتی اور اس طرح کے بندھن خوابوں اور بچگانہ و ناپختہ تخیلات کے تحت جوڑے جاتے ہیں۔

اسلام تمام مسلمانوں کو ایک خانوادہ تشکیل دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ دوسری طرف شادی کی راہ میں حائل رکاوٹوں یعنی مادی اور معاشی غربت کے بارے میں کہتا ہے کہ غربت شادی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ خداوند عالم غریب مردوں اور عورتوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ اگر وہ پہل کریں گے تو وہ انہیں اپنے فضل سے بے نیاز کر دے گا۔خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔

ترجمہ: اور اپنے غیر شادی شدہ آزاد افراد اور اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے باصلاحیت افراد کے نکاح کا اہتمام کرو کہ اگر وہ فقیر بھی ہوں گے تو خدا اپنے فضل و کرم سے انھیں مالدار بنادے گا، خدا بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے۔اور جو لوگ نکاح کی وسعت نہیں رکھتے ہیں وہ بھی اپنی عفت کا تحفظ کریں یہاں تک کہ خدا اپنے فضل سے انھیں غنی بنادے اور جو غلام و کنیز مکاتبہ (آزاد ہونے کا مخصوص نوشتہ) کے طلبگار ہیں ان میں خیر دیکھو (کہ آزاد ہونے کے بعد زندگی گزار سکتے ہیں) تو ان سے مکاتبہ کرلو بلکہ جو مال خدا نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ انھیں بھی دے دو اور خبردار اپنی کنیزوں کو اگر وہ پاکدامنی کی خواہشمند ہیں تو مجبور نہ

کرنا کہ ان سے زندگانی دنیا کا فائدہ حاصل کرنا چاہو کہ جو بھی انھیں مجبور کرے گا خدا مجبوری کے بعد ان عورتوں کے حق میں بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے[۱]۔

مذکورہ آیت میں پہلے غیر شادی شدہ مرد و عورت کو خانوادے کو تشکیل دینے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ مادی اور معاشی غربت سے خوف نہ کھائیں بلکہ خدا کے الطاف و مہربانی پر امید رکھیں۔ خدا پیش قدمی کرنے والے غریب مرد و عورت کو خوش خبری دیتا ہے کہ وہ انھیں اپنے فضل و کرم سے غنی کردے گا۔

مرد و عورت کے مقام کا تعین اور عائلی نظام کے استحکام پر ان کے اثرات

اسلام نے سماجی امور کی منصوبہ بندی اور اس میں مرد و عورت کی مرضی و عمل کی شمولیت کے لحاظ سے دونوں کے درمیان مکمل مساوات قائم کی ہے۔اس مساوات کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے پاس وہی تمام خواہشات اور ضروریات ہوتی ہیں جو مرد کی خواہشات و ضروریات ہوتی ہیں۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے:

"تم مرد اور عورت ایک ہی جنس سے ہو"[۲]۔

لہٰذا مرد اور عورت ان تمام چیزوں میں برابر ہیں جنہیں اسلام حق جانتا ہے۔ شادی اور نسل انسانی کی تخلیق اور بقاء کے معاملات میں ہر فرد اپنی جسمانی ساخت کی بنیاد پر اپنا اپنا کردار ادا کرتا ہے اور کسی کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے[۳]۔

اسلام میں مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا دوست، مددگار اور ایک دوسرے کو مکمل کرنے والا قرار دیا گیا ہے اور تکمیل کا یہ مرحلہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ صحیح اور جائز تعلقات رکھیں۔

مذکورہ باتوں کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ خواتین کے بارے میں اسلام کا نظریہ انسانیت پر مبنی ہے۔ جب کہ یہی حقوق نسواں (فیمنسٹ) کے دعویداروں کا ایک کمزور نکتہ ہے کہ جس کا غالب پہلو جنس کی بحث ہے اور اسی وجہ سے وہ عصر حاضر کی خواتین کے درپیش مسائل کو صرف حل کرنے ہی میں ناکام نہیں ہیں بلکہ انہوں نے مردوں اور عورتوں کے درمیان پائی جانے والی مشکلات و مسائل کو مزید نازک بنا دیا ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ زندگی، امن و جنگ، محبت و غصہ، کشش و فرار کا نام ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ زندگی اسی وقت

۱۔ سورہ نور، آیت ۳۲۔ ۳۳

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۹۵

۳۔ طباطبائی، محمد حسین، المیزان (ج ۲) ص ۴۹ و ج ۴، ص ۳۶۲-۲۲۹

پیاری اور خوبصورت ہوتی ہے جب امن و محبت اور کشش کا ماحول برقرار رہے۔ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ایثار، قربانی اور مشکلات کو برداشت کئے بغیر امن و سکون کے خوبصورت گلستان تک نہیں پہنچا جاسکتا۔اس دوران بیٹیوں، بیویوں اور ماؤں کے طور پر عورتیں اپنی زندگی کے آغاز سے ہی اپنے بھائیوں، شوہروں اور بچوں کے دلوں میں محبت اور شفقت کا خوبصورت بیج آسانی سے بو سکتی ہیں لیکن عورت مذکورہ کاموں کو انجام دینے میں اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب وہ نفس کی اصلاح کے ساتھ جہاد بالنفس کرے اور شیطانی میلانات اور خواہشات نفسانی کے غلبے سے مقابلے کرے۔اسی لئے رسول اللہؐ نے فرمایا:

"بیوی کا جہاد یہی ہے کہ وہ ایک اچھی زوجہ بن کر زندگی گزارے"[۱]۔

گھر اور خانوادے کے امور کو منظّم رکھنا

ابھی تک اسلامی زاویے سے خواتین کی شخصیت کا انفرادی، خاندانی اور سماجی پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا اور پتہ چلا کہ اسلام نے ہر پہلو میں عورت کے کردار کو تسلیم کیا ہے اور انسان ہونے کے اعتبار سے عورت اور مرد کے درمیان فرق کو قبول نہیں کیا ہے۔اسلام اور قرآن کی روح سے ناواقف کچھ افراد قرآن کی چند آیات کا سہارا لے کر اسلام پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور خواتین کی تذلیل کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے افکار کو سامنے لانا اور انھیں بے نقاب کرنا بہت ضروری ہے اور اسی کے ساتھ ایسی آیات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے جس سے اسلام میں عورت کے انسانی مقام و وقار اور گھریلو اور ازدواجی معاملات میں اسکی عظمت اجاگر ہو سکے۔

سورۂ نساء کی ۳۴ آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"مرد عورتوں کے نگہبان و سرپرست ہیں، اس لئے کہ انھیں ان کے مال پر (عورتوں کے معاملے میں) فضیلت حاصل ہے"۔

یہ آیت اور اس جیسی دوسری آیتیں کبھی بھی عورتوں پر مردوں کی برتری اور روحانی فضیلت کا ثبوت نہیں ہیں۔لوگوں کے درمیان فرق کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو زندگی کو بہترین طریقے سے چلایا جائے اور دوسری بات یہ کہ جب تک لوگوں اور مختلف طبقوں کے درمیان ہم آہنگی قائم نہیں ہوگی زندگی کا انتظام ٹھیک نہیں ہوگا۔صلاحیتوں میں فرق کا پایا جانا، ذمہ داریوں کو قبول کرنے اور پورا کرنے میں بہترین کردار ادا کرتا ہے لیکن یہ برتری اور فضیلت کا پیمانہ نہیں ہے۔ایک آدمی کا گھر کے نظام کو چلانا،

۱۔ نگرش گذرا بہ مقام زن در جہان آفرینش، ص ۵

معاشرے کے نظام کو چلانا، انسانیت کی روحانی ترقی اور سربلندی کا سبب نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک انتظامی ذمہ داری ہے اور نظام نہ چلانے والا انسان بھی انسانیت کی صفوں میں بہت بلند ہو سکتا ہے۔

سماجی اور معاشی معاملات میں اور گھر کی ضروریات کو پورا کرنے اور زندگی کے انتظام میں مرد کی قابلیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مرد عورت کے اخراجات کو پورا کرنے کا بھی ذمہ دار ہے لہٰذا گھر کی سرپرستی اور انتظام مرد کی ذمہ داری ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عورت سے برتر ہے۔ مرد کا قیّم ہونا یعنی ولی و سرپرست ہونا اور میاں بیوی کا فرمانبردار اور مطیع ہونا خدا پر ایمان کی دلیل ہے اور گھریلو معاملات میں بیوی کا اپنے شوہر کی اطاعت کرنا گویا خدا کی اطاعت ہے۔ درحقیقت عورت کا ایسے باایمان مرد کی اطاعت کرنا گویا خدا کی اطاعت ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو گناہ کا حکم دے تو اس کے حقوق سلب ہو جاتے ہیں۔

ایک اور بات یہ ہے کہ یہ آدمی اپنی بیوی کی جان و مال کی حفاظت کا اسی طرح پابند ہوتا ہے جس طرح وہ اپنی جان کی حفاظت کا پابند ہے۔ اسلام کے مطابق ایک مرد کی بیوی اس کی اپنی جان کی طرح ہوتی ہے۔ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے معاملات کو صحیح طور پر چلانے کی ذمہ داری انسانیت کے ناطے ہے لہٰذا مرد کا ایسی ذمہ داری نبھانا کوئی توہین آمیز اور ذلت آمیز بات نہیں ہے بلکہ انسان کا یہ عمل اپنے اور اپنے اہل و عیال سے تعلق کی شدت کی وجہ سے ہے جو اس کی ذمہ داری کو دوگنا کر دیتا ہے۔

ایک مومنہ عورت ایک مومن مرد یعنی اپنے شوہر کے انتظام کو علم اور آگاہی کے ساتھ قبول کرتی ہے تا کہ گھر میں امن و سکون قائم ہو سکے اور گھر کے ماحول میں کسی قسم کے جھگڑے کو روکا جا سکے۔ گھر میں نظم کی برقراری میں اتحاد کا پایا جانا منطقی عمل ہے۔ بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ احکام الٰہی پر مبنی انتظامات، جبر و آمریت سے بہت ہی مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے مرد کی سرپرستی کا جو تعلق ہے وہ بیوی ہونے کی حیثیت سے ہے، عورت کا مرد کے مقابل یا نابرابر ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ ولایت و سرپرستی فضیلت کا پیمانہ نہیں بلکہ ایک فرض ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت ایک خود غرض مرد کی اسیر ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ نظام و انتظام، عائلی نظام کے اصولوں پر مبنی ہے۔ بعض اوقات یہ انتظام دونوں فریقوں کی صوابدید پر بدل دیا جاتا ہے یعنی گھر کا انتظام عورت کے ذمہ ہوتا ہے یہاں تک کہ گھر کا مرد بھی اس کی بات مانتا ہے۔ یہ سب کچھ دین اور مذہبی احکام کے دائرے میں رہ کر ہوتا ہے۔

البتہ ہر چیز کے بارے میں مادیت پسندانہ نظریہ رکھنے والا شخص ان رشتوں کو نہیں سمجھ سکتا کیونکہ اس کے دیکھنے کا معیار صرف دنیاوی اور مادی چیزیں ہی ہوتی ہیں اور اس کے نزدیک فضیلت کا تعین انھیں مادی چیزوں

کی موجودگی سے ہی طے پاتا ہے۔ دراصل مادیت پسند انسان کے نقطہ نظر سے وہی انسان افضل ہے جس کے پاس طاقت، دولت اور زیادہ شہرت ہو لیکن اسلام ایسی چیزوں کو اہمیت نہیں دیتا اور فضیلت و برتری کو صرف ایمان، تقویٰ اور علم الٰہی اور اعمال صالحہ سے جوڑتا ہے جیسا کہ مشاہدہ کیا جاچکا ہے کہ اس زاویہ سے دیکھا جائے تو خواہ وہ عورت ہو یا مرد دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے مگر صرف وہی افضل ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار اور خدا سے سب سے زیادہ قریب ہو۔

مذکورہ آیت کا دوسرا حصہ (سورۂ نساء، ۳۴) جس کو قرآن کے سیاق و سباق اور اسلامی روحانیت سے ناواقف بعض جاہل لوگ، دلیل کے طور پر بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ اسی کی بنیاد پر عورتوں کو اذیتیں دیتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ:

> "لیکن عورتوں کا وہ گروہ کہ جس کی سرکشی اور مخالفت سے تمہیں ڈر لگتا ہے انھیں نصیحت کرو اور (اگر یہ کارآمد نہ ہو تو) بستر پر ان سے دور رہو اور اگر یہ بھی کارآمد نہ ہو تو ان کو تنبیہ کرو (اور انھیں مسواک جیسی ایک لکڑی سے مارو)۔ البتہ یہ جان لو کہ خدا کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے"۔

اس مسئلے کا حل صرف مذہبی اور ایمانی نقطہ نظر سے ہی ممکن ہے۔ اور لوگوں کا یہ کہنا کہ خدا پر یقین رکھنے والے میاں اور بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے یا بیوی شوہر کے تئیں اپنے فرض کو پورا کرنے سے انکار کر رہی ہے تو ایسے وقت میں اس مرد کی تمام کوشش بیوی کی محبت کو برقرار رکھنے اور اپنی عزت و آبرومندی پر ہو گی لہٰذا اسے حکمت و عقل کے ساتھ مسئلے کو حل کرنا چاہیے۔ وہ ایسا نہیں چاہے گا کہ اس کا اور اس کی بیوی کا راز فاش ہو اور چونکہ ضد اور شوہر کے حق سے انکار کا عمل، عورت کی جانب سے ہے اور وہ بھی وہ عورت جو اس کی بیوی ہے اور اس کی جان سے زیادہ عزیز ہے اس لئے مرد کی ذمہ داری ہے کہ پیش قدمی کرتے ہوئے آپسی مسئلہ کو بہترین طریقے سے حل کرے۔ اس دوران اگر تھوڑی سی تلخی بھی ہو جائے تو اسے زندگی اور محبت کا ایک حصہ سمجھنا چاہیے، اسے دشمنی اور عداوت تصور نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بالکل اس ہلکی سی سرجری کی طرح ہے جس کا مقصد زندگی کے تسلسل کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ حضرت ایوب اور ان کی اہلیہ کے قصے میں کہا گیا ہے کہ: "تیلی گھاس کا ایک گچھا لے لو اور اسے مارو"[۱]۔ مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس طرح مارے کہ اس کا جسم سرخ اور زخمی ہو جائے یا سیاہ پڑ جائے کیونکہ ایسی صورت میں قصاص اور دیت واجب ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اسے غفلت سے

۱۔ سورہ نور، آیت ۴۴

بیدار کرنے کے لئے اور اپنی اور اپنے شوہر کی زندگی کو انتشار سے بچانے کے لئے مارنا بھی چاہتا ہے تو امام محمد باقرؑ کے بقول "مسواک کی لکڑی" سے اسے مارے[۱]۔

اگر دیکھا جائے تو ہرگز یہ مارنے والا عمل نہیں ہے وہ بھی ایسے کے ساتھ یہ عمل کرنا جسے مرد پیار و محبت سے گلے لگاتا ہے اور اپنی آغوش میں لے لیتا ہے بلکہ یہ تو صرف اس کو ہوش میں لانے کے لئے کیا جاتا ہے تاکہ اس کی عقل ٹھکانے آجائے جو کہ وقتی جذبات اور مزاج کی وجہ سے ضدی ہوگئی ہے۔ البتہ ایسا کرنا اسی وقت ضروری ہے جب آدمی خود ہوشیاری اور سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے کرے اور کم نقصان کے عوض بڑے خطرات کو ٹالنا چاہتا ہو تب کرے۔

آیت کریمہ بھی ایسی جدائی کو روکنے پر زور دیتی ہے تاکہ ایک بکھرتے ہوئے خاندان کو نجات دی جاسکے کیونکہ کسی اور کا ان دونوں کے درمیان حائل ہونا صحیح نہیں ہے لہٰذا قرآن شوہر سے کہتا ہے کہ وہ اپنی عزیز بیوی سے زندگی کے مسائل کو غصے کی حالت میں وضاحت کرے، بیوی کو اس کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کرے، اسے ممکنہ نقصانات کے بارے میں بھی یاد دلائے اور اگر یہ کرنے کا فائدہ نہ پہنچے تو اسے عارضی ہجرت اور جدائی کے ذریعہ آزمائے تاکہ شاید اسے مستقل جدائی کی تلخی سمجھ میں آجائے اور اگر پھر بھی وہ نہ سمجھے تو اسے بہت ہی ہلکی ضرب لگا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرے تاکہ وہ ضد اور اپنے جذبات کی قید سے آزاد ہو جائے اور اپنی زندگی اور خانوادے کے بکھرنے سے نجات پائے۔

یاد رہے کہ مرد کا یہ عمل بھی اپنی بیوی سے شدید محبت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ ضرب اور مارنے کا عمل اسی وقت درست ہوگا جب علاج کے ارادے سے کیا جائے اور یہ عمل ایک عقلمند کے ہاتھوں صادر ہو ورنہ اس عمل کی کوئی وقعت نہ ہوگی اور جائز بھی نہ ہوگا بلکہ ایسا کرنے والا خدا اور رسول کے نزدیک ناپسندیدہ اور مردود قرار پائے گا۔

ازدواجی زندگی میں اگر مرد اور عورت دونوں عقلمند ہوں اور ذہنی توازن برقرار رہے تو ان کے درمیان کوئی مشکل ہی پیدا نہ ہوگی اور ان کے رشتوں میں امن و سکون کا راج ہوگا۔ اگر ان میں سے کوئی ایک عاقل ہو اور عادی حالت میں رہتا ہو (آیت کے مفروضے کے مطابق آدمی) تو سکون اور سلامتی قائم ہو جائے گی اور اگر یہ دونوں غیر عادی حالت میں ہوں گے یا دماغی و روحانی سلامت میں کمی ہوگی تو نادانی کریں گے لہٰذا ایسے موقعے پر مسئلہ کا حل عقلمندوں، حکمرانوں اور عدالتوں کے حوالے کیا جائے گا اور یہی قرآن کا قول ہے[۲]۔

۱۔ طبرسی، حسن بن فضل، مجمع البیان (ج ۲) ص ۹۵

۲۔ سورہ نساء، آیت ۳۵

اسلام میں عائلی نظام کے استحکام کے اسباب

عائلی نظام کو مستحکم و مضبوط بنانے میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں جن میں سے اہم ترین اسباب و عوامل پر ذیل میں بحث کی گئی ہے:

۱۔ **آپسی میل ملاپ**: عملی حکمت میں حکماء حضرات "تدبیر منزل" کو "سیاست مُدُن" پر مقدم جانتے ہیں البتہ "تہذیب اخلاق" کو "تدبیر منزل" پر فوقیت دی گئی ہے۔ عملی حکمت میں سب سے پہلے فرد کو مہذب کیا جاتا ہے تاکہ وہ ایک خانوادہ کی بنیاد رکھ سکے اور پھر اس کی اتباع میں ایک تدبیر یافتہ و منصوبہ بند خاندان اور ایک زندہ وسالم معاشرہ تیار ہو سکے۔ زندہ وسالم معاشرہ کسی صنعت اور مشین کے ذریعہ وجود میں نہیں آتا بلکہ اخلاقی روابط اور اچھے الٰہی تعلقات، ایک صحت مند اور زندہ معاشرے کی بنیاد ہیں۔

ویل ڈورنٹ کہتا ہے:

> "ہم جنگوں اور مشینوں میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ اس حقیقت سے ناواقف ہو گئے کہ زندگی کی بنیادی حقیقت صنعت اور سیاست نہیں ہے بلکہ انسانی روابط اور گھر کے افراد یعنی شوہر، بیوی، والدین اور بچوں کا آپسی تعاون و تعلق ہے"[۱]۔

سماجی خواہش کا ہونا انسان کی ضروریات میں سے ہے اور وہ سماج و معاشرے سے سوائے پیار و محبت کے کسی چیز کی توقع نہیں رکھتا کیونکہ انسان کی تخلیق محبت اور پیار پر مبنی ہے جو اس کی ہر کوشش میں بہترین محرک ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ لوگ عام طور پر سچی محبت کو نہیں پہچان پاتے لیکن مجازی اور جھوٹی محبتوں میں بھی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ انسان کو کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور اسے پرامید بناتی ہے۔ خداوند عالم نے گھر میں صحیح انسانی برتاؤ کو حسن سلوک یا اچھے برتاؤ کا نام دیا ہے اور مرد و عورت دونوں سے اس کی رعایت کرنے کا خواہشمند ہے تاکہ وہ نیکیوں یعنی خوشگوار زندگی گزارنے کے قابل ہوں:

وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا : ترجمہ: اور ان سے مناسب گفتگو کرو[۲]۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ :ترجمہ: اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرو[۳]۔

۱۔ ویل ڈورنٹ، لذّات فلسفہ، ص ۸۱-۶۵

۲۔ سورہ نساء، آیت ۵

۳۔ سورہ نساء، آیت ۱۹

خانوادے میں اچھے تعلقات کا تعین دو حدود یعنی قانونی اور اخلاقی نصب العین کے دائرے میں ہوتا ہے اور حسن سلوک یعنی اچھے تعلقات کی تعبیر جو شوہر کے لئے فرض اور بیوی کے لئے ایک حق کے طور پر پیش کی جاتی ہے یہ خاندان کو مستحکم کرنے کا ایک اہم عنصر ہے۔ اگر اسے اچھی طرح بیان کیا جائے تو یہ ان تمام امور کی نشاندہی کرتا ہوا نظر آتا ہے جو مرد کو عورت کے حق میں کرنا چاہیے۔ نفقہ کے ذریعہ عورت کی تمام جسمانی ضروریات اور اچھے برتاؤ اور حسن سلوک کے ذریعہ اس کی تمام روحانی ضروریات پوری کی جانی چاہیے[۱]۔ خانوادگی احساسات وجذبات اور اس کے طویل مدتی اور مقدس اہداف کا تقاضہ یہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ اور اچھے تعلقات کو لے کر زیادہ محتاط رہیں اور گھر میں مہر و محبت کا ماحول بنائے رکھیں۔

۲۔ خانوادے کے تمام افراد کے مابین نظم و ضبط کا ماحول بنائے رکھنا: خانوادے کی تشکیل کے بارے میں قرآن میں بارہا ذکر ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔ ترجمہ: اے انسانو! اس پروردگار (کی مخالفت) سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اس کا جوڑا بھی اسی کی جنس سے پیدا کیا ہے اور پھر دونوں سے بکثرت مرد و عورت (دنیا میں) پھیلا دیئے ہیں اور اس خدا سے بھی ڈرو جس کے ذریعہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتداروں کی بے تعلّقی سے بھی ڈرو، اللہ تم سب کے اعمال کا نگراں ہے[۲]۔

اسلام اپنے معاشرے کے کسی بھی شعبے میں نا امنی اور انتشار پسند نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ تمام پہلوؤں خواہ انفرادی ہوں یا عوامی سبھی میں نظم وضبط کا مطالبہ کرتا ہے۔ درحقیقت اسلامی نظام آسمانی ہدایات پر مبنی ہے جس میں کسی طرح کی نسلی، سرحدی یا خاندانی یا اس جیسی کوئی حدود و قیود نہیں ہوتیں کیونکہ ان ہدایات کا تعلق اللہ کی طرف سے آنے والی وحی سے ہے۔

۳۔ خلقت میں یکساں ہونے پر توجہ دینا: الٰہی قوانین کا اصل سرچشمہ توحیدی اصول پر مبنی ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی معاشروں میں موجود تمام رکاوٹوں اور پابندیوں کو دیکھ کر ہم

۱۔ خانوادہ در قرآن، ص ۱۵۳ ۲۔ سورہ نساء، آیت ۱

آج بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ بنی نوع انسان کو آج تک جتنے بھی مسائل درپیش آئے ہیں یا جن سے وہ نبرد آزما رہا ہے، وہ سب انھیں پابندیوں اور رکاوٹوں کے سبب وجود پذیر ہوئے ہیں (مثلاً نسلی، قومی، سرحدی اور طبقاتی تعصّبات وغیرہ) ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ یہ انسانی زندگی کی راہ میں وہ رکاوٹیں ہیں جو اسے نیک بختی اور ترقی تک پہنچنے میں مشکلات پیدا کرتی ہیں[۱]۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی پوری توجہ اس بات پر ہے کہ تمام انسان (مرد اور عورت) ایک ہی جسم سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر انسان اس نکتہ کی طرف توجہ کرے تو رکاوٹوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ **باہمی ہمدردی اور مل جل کر کام کرنا:** خانوادے کے ساتھ تعاون اور ہمدردی خدا کے دین کے دائرے میں رہ کر ہونی چاہیے اور یہ تعاون بدعنوانی، رشوت خوری، حقوق غصب کرنے اور برائیوں کے پھیلانے کا ذریعہ نہیں بننا چاہیے۔ اس لئے دین نے سب سے پہلے پرہیزگاری کی بات کی ہے اور اسے سماجی نظم کا مرکز قرار دیا ہے اور اس کے بعد رشتہ داروں کی اہمیت پر گفتگو کی ہے۔ "تَسَاءَلُونَ بِهِ" کے فقرے میں قرآن یہ کہنا چاہتا ہے کہ خدا ہی وہ آخری پیمانہ ہے جسے سماجی تعاون کے مرکز کے طور پر قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا جب کوئی کسی سے کچھ چاہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ اسے پورا کرے گا یا نہیں تو وہ کیسے ثابت کرے گا کہ اس کی بات سچ ہے یا جھوٹ ہے۔ یہاں پر اس کے پاس خدا کی قسم کھانے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہتا یا یہ کہ اس کا ایمانی و فطری ضمیر خود خدا سے مشورہ کرے اور وہ اس طرح اپنی حفاظت کرے۔ ایمان سے مستفید ہونے والا انسانی معاشرہ اپنے بچوں کے درمیان انصاف اور مساوات کی بنیاد پر تعاون کی فضا ہموار کر سکتا ہے لیکن اگر معاشرہ باایمان نہ ہو تو کوئی بھی ادارہ اور نظام ہو وہ صرف کاغذی کاروائی تک ہی محدود رہتا ہے۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے ایک گیند کھلاڑیوں کے ہاتھ میں دے دی جائے[۲]۔ یہیں پر ہم کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کی بنیاد ایمان اور تقویٰ پر ہونی چاہیے۔

۵۔**ایک دوسرے سے مشورہ لینا:** خانوادے میں باہمی مشاورت کا رواج، خانوادے کے افراد کے درمیان افہام و تفہیم اور تعاون کا سبب ہے جو کہ ایک مضبوط اور محبت سے لبریز خانوادے کی تشکیل کے ساتھ ساتھ زندگی میں درپیش مسائل اور رکاوٹوں کا بہترین محافظ بھی ہے۔ امام علیؑ فرماتے ہیں:

وَ لاَ ظَهِيرَ كَالْمُشَاوَرَةِ: باہمی مشاورت جیسی کوئی پشت پناہی نہیں ہے[۳]۔

۱۔ تفسیر ہدایت، ج ۱۵، ص ۲
۲۔ ایضاً، ص ۱۷
۳۔ نہج البلاغہ، خ ۵۴

انسانی تاریخ میں بہترین اور مضبوط عائلی نظام وہی رہے ہیں جن میں میاں بیوی اور بچے ایک دوسرے کے ہم فکر اور مددگار تھے۔اس کا واضح اور بہترین نمونہ امام علی علیہ السلام اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگیوں میں قابل مشاہدہ ہے۔

۶۔ **گھر میں آپسی میل و محبت کو قائم رکھنا:** انسان، مہر و محبت کا پیاسا ہوتا ہے۔ زندگی میں بہت سی طاقت فرسا کوششیں محبت ہی کے نتیجے میں کی جاتی ہیں اور اسی کے وجود سے انسان متحرک رہتا ہے اور روزی کمانے کی طرف راغب ہوتا ہے۔ کسی کی عزت اور شخصیت کی حرمت کا اندازہ اس سے برابر ملاقاتوں کے نتیجے میں ہی لگایا جاسکتا ہے خاص طور پر باہمی الفت و محبت رکھنے والوں کی طرف سے جب یہ عمل انجام پاتا ہے تو ان کے درمیان تعلقات مضبوط ہوتے ہیں جس کی سب سے واضح مثال خانوادہ ہے۔

درحقیقت اچھے اخلاق کی مثال اس تیل کے مانند ہے جس سے اگر مسلسل مالش کی جائے تو انسان کے اعضا جڑے رہتے ہیں اور ان کے جوڑ میں مضبوطی آتی ہے۔امام جعفر صادقؑ نے دینی بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کی کوشش پر بہت تاکید کی ہے لہٰذا کتنا اچھا ہوگا کہ اس کا آغاز خانوادے سے کیا جائے: مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ باہمی الفت و محبت کی فضا ایجاد کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ[1]۔ خاندان کے افراد کے مابین الفت و محبت خدا کی رضا اور اس کی رحمت کے نزول کا سبب بنتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ ایسا خانوادہ نیک بخت ہوگا۔

میاں بیوی کے مابین پیار و محبت کی ضرورت کے بارے امام سجادؑ فرماتے ہیں:

> "تمہاری بیوی کا حق یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ خداوند متعال نے اسے تمہارے لئے باعث سکون اور مونس و انیس بنایا ہے اور تم جان لو کہ یہ خدا کی نعمت ہے جو اس نے عطا کی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی عزت کرو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرو اور نرمی سے پیش آؤ اگرچہ شریک حیات پر تمہارا حق زیادہ سخت ہے لیکن اس کا بھی تم پر یہ حق ہے کہ تم اس کے ساتھ نرمی و محبت سے پیش آؤ"[2]۔

ہمدردی اور حسن سلوک کے علاوہ بیوی پر شوہر کے حق کی حرمت اتنی زیادہ ہے کہ اسے جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے برابر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

۱۔ کلینی، محمّد، اصول و فروع کافی، ص ۳۹۶

۲۔ حرّانی، حسن بن علی، تحف العقول، ص ۲۶۲

جِهَادُ الْمَرأَةِ حُسنُ التَّبَعُّلِ۔ترجمہ: عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے اچھی بیوی بن کر رہے[۱]۔

۷۔ **خانوادے کے تمام افراد کو ان کے حقوق اور فرائض سے آشنا کرنا**: یہاں پر ایک ایسا بنیادی اصول ہے جس پر قانونی نظام تاکید کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں بھی کوئی فریضہ ہو گا تو اس کے ساتھ ایک مقررہ حق بھی ہو گا۔ حق اور فرض دو الگ الگ چیز نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا حق ہے اور اس کے بدلے میں ایک فریضہ ہے اور اسی طرح اس کے برعکس ہو گا۔ یہ موضوع تمام انسانوں کے لئے ثابت ہے کہ حقوق تو صرف اللہ کے پاس ہیں لیکن اس پر کوئی فریضہ نہیں ہے۔ یہاں پر خانوادے کے افراد کے حقوق کی اقسام کے ساتھ عائلی نظام کے استحکام میں ان حقوق کی تاثیر کے بارے میں اشارہ کیا جائے گا:

الف: والدین کا بچوں پر حق:

امام سجادؑ نے رسالہ حقوق میں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

> "تمہارے اوپر تمہاری ماں کا حق یہ ہے کہ تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تمہیں ایک مدت تک (پیٹ میں) اس طرح اٹھائے رہی کہ جس طرح کوئی نہیں اٹھاتا ہے (یعنی نو ماہ تک تمہارے حمل کو اپنے شکم میں رکھا) اور اس نے اپنے میوۂ دل روح سے اس طرح تمہیں خوراک دی کہ کوئی دوسرا نہیں کھلا سکتا اور یقیناً اس نے اپنے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، بال، جلد اور اپنے تمام اعضاء کے ساتھ خوشی خوشی تمہارا بوجھ اٹھائے پھرتی رہی اگرچہ اس کی وجہ سے مسلسل زحمتوں اور مشکلوں میں مبتلا رہی۔ تمہارے باپ کا حق یہ ہے کہ تم جان لو کہ وہ تمہاری جڑ ہے اور تم اس کی شاخ ہو، اگر وہ نہ ہوتے تو تمہارا وجود بھی نہ ہوتا لہٰذا جب بھی اپنے اندر کوئی پسندیدہ اور اچھی چیز دیکھو تو تم اس وقت خیال کرو کہ تمہاری اس خوبی اور اچھائی کی وجہ تمہارا باپ ہے لہٰذا اس پر خدا کی حمد و ثنا کرو اور اپنی اس اچھائی کے لئے اس کے شکر گزار بنو، وَ لاَ قُوَّۃَ إِلاَّ بِاللّٰہِ [۲]۔

یہیں سے انسان سمجھتا ہے کہ اللہ نے والدین کے ساتھ کیوں حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور ان کی تمام زحمتوں کی شکر گزاری کو کیوں اپنی شکر گزاری کا پیش خیمہ قرار دیا ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ، ح ۱۳۶ ۲۔ تحف العقول، ص ۲۶۳

آسمانی کتاب قرآن مجید میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم توحید کے مسئلہ کے فوراًبعد بیان ہوا ہے جس سے اس حکم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلاَّ تَعۡبُدُوۡا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوۡ کِلاَھُمَا فَلاَ تَقُلۡ لَّھُمَآ اُفٍّ وَلَا تَنۡھَرۡھُمَا وَقُلۡ لَّھُمَا قَوۡلاً کَرِیۡمًا وَاخۡفِضۡ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیۡ صَغِیۡرًا۔

ترجمہ : اور تمہارے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو خبردار ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انھیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان سے ہمیشہ شریفانہ و سنجیدہ گفتگو کرتے رہنا۔نیز ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگارا! ان دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے[۱]۔

ان آیات میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں تین اہم احکام ذکر ہوئے ہیں :

۱. معمولی سی بھی بے ادبی نہ کرنا یعنی اف تک کا بھی استعمال نہ کرنا۔ان پر چیخنے اور چلانے کی بات تو بہت دور!۔
۲. والدین کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا۔
۳. ان کے لئے دعا کرنا[۲]۔

قرآنی نقطہ نظر سے والدین کا احترام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا امن و سلامتی کا باعث ہے اور خانوادے کے تمام افراد کے مابین تعلقات کی مضبوطی کا ایک سبب بھی ہے۔خداوند عالم کی عبادت کے بعد یہ قرآن کا خاص حکم ہے۔

۱۔ سورہ اسراء، آیت ۲۳ و ۲۴
۲۔ مکارم شیرازی، ناصر و دیگران، تفسیر نمونہ، ج ۱۲، ص ۷۶-۷۵

ب : والدین پر بچوں کا حق

اس سلسلے میں امام سجادؑ رسالہ حقوق میں فرماتے ہیں :

"تمہارے بیٹے کا حق یہ ہے کہ تم جان لو کہ وہ تم سے ہے۔ دنیا میں تم ہی سے وابستہ ہے اور اس کا خیر و شر بھی تمہاری ہی طرف منسوب ہوتا ہے اور یقیناً یہ ذمہ داری تمہاری ہے کہ اسے ادب سکھاؤ، اس کے پرودگار کی طرف اس کی راہنمائی کرو اور اس کی اطاعت میں اس کی مدد کرو کیوں کہ ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا [اگر تم نے اپنا فرض ادا کیا تو] تم کو اجر ملے گا اور [اگر کوتاہی کی تو] سزا کے حقدار ہوگے۔ اس لئے اپنے بچے کا کام اس طرح کرو جس سے اس فانی دنیا میں اس کا اچھا پھل ملے۔ اور اس کی جو بہترین سرپرستی تم نے کی ہے اور جو نتیجہ تم نے حاصل کیا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں تمہارے اور اس کے درمیان ایک عذر ہو جائے"[۱]۔

ج : خانوادے میں مرد و عورت کی اپنی اپنی ذمہ داریاں

قرآن مجید میں اللہ نے سورہ تحریم کی آیات میں رسول اکرمؐ کی بعض ازواج کو تنبیہ کرتے ہوئے تمام اہل ایمان کو اپنی بیویوں، بچوں اور خانوادے کی تعلیم و تربیت کے بارے میں ہدایات دی ہیں اور فرماتا ہے :

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَکُمْ وَأَهْلِیکُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔

ترجمہ : اے ایمان لانے والو ! خود کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی اس آگ سے بچاؤ کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے[۲]۔

خود کو بچانے کا مطلب گناہ سے پرہیز کرنا اور باغیانہ خواہشات کے آگے نہ جھکنا ہے اور اپنے اہل خانہ کو بچانے کا مطلب ان کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا اور ان کو نیکی کا حکم دینا، برائیوں سے روکنا اور گھر کو ہر طرح کی آلودگی سے پاک رکھنا اور صاف ستھرا ماحول فراہم کرنا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کا آغاز خانوادے میں رکھی جانے والی پہلی اینٹ سے ہونا چاہیے یعنی شادی کے آغاز سے اور پھر بچے کی پیدائش کے پہلے لمحے سے ہونا چاہیے اور پھر اسے تمام مراحل میں صحیح منصوبہ بندی کے ساتھ اور بھرپور طریقے سے عمل میں لایا جانا چاہیے۔

۱۔ تفسیر نمونہ، ج ۱۲، ص ۴۶۱

۲۔ سورہ تحریم، آیت ۶

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کا حق صرف یہ نہیں ہے کہ ان کی رہائش کا انتظام کردیا جائے اور کھانے کے اخراجات فراہم کردیئے جائیں بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی معنوی و روحانی غذا کا انتظام صحیح اصولوں کے مطابق کیا جانا چاہیے۔

میاں بیوی کے سب سے اہم باہمی فرائض

میاں بیوی کی طرف سے باہمی فرائض کی تعمیل عائلی نظام کی مضبوطی پر نمایاں اثر ڈالتی ہے جن میں سے کچھ کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔

۱۔ **انحراف سے بچاؤ**: خداوند عالم نے میاں بیوی کے مابین حقوق وفرائض کو ان الفاظ میں واضح کردیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ ترجمہ: وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو (یعنی دونوں ایک دوسرے کی زینت اور تحفظ کا وسیلہ ہو)[۱]۔

لباس ایک طرف انسان کو سردی، گرمی اور جسم سے کسی چیز کو ٹکرانے کے خطرے سے بچاتا ہے تو دوسری طرف اس کی خامیوں پر پردہ ڈالتا ہے اور یہ انسانی جسم کی زینت بھی ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں مذکور یہ تشبیہ ان تمام نکات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو انحراف سے بچاتے ہیں، ایک دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالتے ہیں، ایک دوسرے کے لئے سکون و اطمینان کا باعث بنتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے زینت کا سبب ہوتے ہیں۔ مذکورہ تعبیر مرد اور عورت کے مابین روحانی تعلق اور ایک دوسرے سے قربت کے ساتھ ساتھ باہمی مساوات کو بھی واضح کرتی ہے کیونکہ جو تعبیر مردوں کے بارے میں بیان کی گئی ہے وہی تعبیر بغیر کسی تبدیلی کے عورتوں کے بارے میں بھی بیان کی گئی ہے[۲]۔

مذکورہ آیت اور دیگر آیات و روایات کے مطابق، بیویاں بھی زینت کا ذریعہ ہیں اور ایک دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالتی ہیں اور ایک دوسرے کی حفاظت کرتی ہیں اور گناہوں سے روکتی ہیں۔

۲۔ **صبر اور زندگی کا استحکام**: قرآن میں صبر اور اس کے درجہ کو بلندی عطا کرنے کے بارے میں متعدد مقامات پر حکم دیا گیا ہے:

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۸۷

۲۔ تفسیر نمونہ، ج۱، ص ۷۳۳

وَاسۡتَعِينُواْ بِالصَّبۡرِ وَالصَّلاَةِ۔: صبر اور نماز سے مدد طلب کریں[۱]۔

اس آیت میں قرآن صبر کی دعوت دیتا ہے۔ پر آشوب ماحول میں اسلام اور قرآن کریم کی تعلیمات و ہدایات یہ سبق دیتی ہیں کہ کفر و بدعت کے خلاف کس طرح ایمانی صفات کو حاصل کیا جاسکتا ہے، بے عملی اور بے راہ روی کے مقابلے میں کس طرح عمل صالح انجام دیا جائے، باطل و ناانصافی کے خلاف کس طرح حق و حقانیت کی پیروی کی جائے اور مشکلات و مصائب کے وقت کس طرح صبر واستقامت سے کام لیا جائے:

> وَالۡعَصۡرِ إِنَّ الۡإِنسَانَ لَفِي خُسۡرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ۔ترجمہ: زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارہ میں ہے۔علاوہ ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت و نصیحت کی[۲]۔

بے صبری اور بے بسی انسان کی مصیبتوں اور پریشانیوں میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔امام موسی کاظمؑ نے فرمایا:

> الۡمُصِيبَةُ لِلصَّابِرِ وَاحِدَةٌ وَ لِلۡجَازِعِ اثۡنَتَانِ۔ترجمہ: بردبار اور سنجیدہ شخص کے لئے ایک مصیبت ہے اور بے قرار شخص کے لئے دو آفتیں ہیں[۳]۔

جیسا کہ امام علیؑ نے فرمایا:

> الصَّبۡرُ يَمۡحَصُ الرَّزِيَّةَ۔ ترجمہ: صبر و شکیبائی مصیبت کو توڑ دیتی ہے یعنی ختم کر دیتی ہے[۴]۔

لیکن ایک بے چین اور بے صبرے انسان کے لئے آفت سے پہنچنے والا نقصان اور بے صبری سے پہنچنے والا نقصان دونوں باقی رہتے ہیں۔اس لئے اگر بے صبری کسی پر غالب آجائے تو اسے سکون نہیں ملتا۔

۳۔ **معاف کرنے کا جذبہ:** اچھی دوستی اور رشتوں کو بنانے اور مضبوط کرنے میں معاف کرنے کا عمل ایک مؤثر عنصر ہے جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۴۵
۲۔ سورہ عصر، آیت ۳-۱
۳۔ تحف العقول، ص ۴۱۵
۴۔ تمیمی آمدی، عبدالواحد بن محمد، غُرر الحِکم و دُرر الکَلِم، ص ۲۸۴

"ہر گز اچھائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی لہٰذا تم برائی کا جواب بہترین طریقہ سے دو کہ اس طرح (تم دیکھو گے کہ) جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے وہ بھی ایسا ہو جائے گا جیسے گہرا دوست ہوتا ہے"[۱]۔

لہٰذا اگر معافی کا اثر عداوتوں میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اس خانوادے میں گہرائی سے کام کرے گا جہاں قدرتی طور پر دوستانہ تعلقات ہوں لیکن معاف کرنے کا یہ جذبہ گھر والوں کے ایمان اور تقویٰ سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ **گھرانے میں ایمانداری کا راج**: گھرانے میں ایمانداری کی حکمرانی اس کی مضبوطی کے عوامل میں سے ایک ہے اور اسے کسی دلیل یا وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری طرف دیکھا جائے تو بے ایمانی اور جھوٹ ایسے عوامل ہیں جو گھرانے اور خاندان کو تباہ کر دیتے ہیں۔ بے ایمانی اور جھوٹ پہلے انسان کی روح اور شخصیت کی تباہی کا سبب بنتا ہے پھر بالترتیب اس کے گھرانے اور معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جھوٹ خانوادگی نظام کے استحکام کے لئے تباہ کن ہے۔ جھوٹ اور بے ایمانی کے منفی اثرات کے بارے میں بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں۔امام باقرؑ فرماتے ہیں:

"میرے والد امام سجادؑ فرماتے تھے: ہر چھوٹے اور بڑے جھوٹ سے بچو کیونکہ جب انسان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جھوٹ بولتا ہے تو وہ بڑا جھوٹ بولنے کی جسارت کرتا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے کہ اگر انسان ہمیشہ سچائی کے ساتھ رہے تو خدا اس کو صدیق لکھے گا اور اگر کوئی جھوٹا ہے تو خدا لکھے گا کہ وہ جھوٹا ہے"[۲]۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"جھوٹا آدمی ظاہری وجوہ سے ہلاک ہو جاتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو بھی شک کی وجہ سے ہلاک کر دیتا ہے"[۳]۔

ان روایات کے مطابق جھوٹ برائی کے دروازے کھولنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا گناہ ہے جو ایمان کو تباہ کر دیتا ہے لہٰذا کیسے امید رکھی جاسکتی ہے کہ جس خانوادے کی بنیاد ایمان پر رکھی جانی چاہیے اس کو اس سے نقصان نہ پہنچے گا۔

۱۔ سورہ فصلت، آیت ۳۴
۲۔ اصول وفروع کافی، ج ۲: ۳۳۹ و ۳۴۰
۳۔ ایضاً

۵۔ بدگمانی اور حسد سے بچنا: خاندان کے افراد کو ایک دوسرے کی بدگمانی سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر کوئی چیز انہیں پریشان کرتی ہے تو وہ اسے کھلے دل سے بیان کریں تاکہ اس کی سچائی یا اس کا جھوٹ سامنے آسکے۔ ترقی کی راہ میں تمام افراد کو باہم دوست ہونا چاہیے کیونکہ خانوادے کی خوشی، اس کے ہر فرد کی خوشی پر منحصر ہے۔ کینہ و حسد کو گھرانے کے رشتوں میں آفت و مصیبت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ جناب یعقوب کے گھرانے میں بھائیوں کے حسد نے جناب یوسف کو ان کے گھرانے کے افراد سے مکانی اور روحانی دونوں لحاظ سے الگ کر دیا اور یوسف عائلی نظام سے الگ ہوگئے اور یعقوب سالہا اپنے بیٹوں سے ناراض رہے۔ حضرت علیؑ کی ایک حدیث میں مذکور ہے:

الحَسَدُ يُنَكِّدُ العَيشَ: حسد زندگی کو تنگ کر دیتا ہے۔[1]

۶۔ رازداری اور وفاداری: بیوی ہونے یا خانوادے کا اہم رکن ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط وفاداری ہے اور رازداری بھی بیوی کی وفاداری کی سب سے اہم شرطوں میں سے ایک ہے جس کا ذکر سورہ تحریم آیت ۳ میں ہے۔ یہ بھی بہت اہم نکتہ ہے کہ خیانت کی آگ تمام گھرانوں کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے کیونکہ جناب نوحؑ اور جناب لوطؑ جیسے انبیاء اپنی بیویوں کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا ہوئے تھے[2]۔ بہر صورت گھر کے افراد کی وفاداری قربت اور محبت پیدا کرتی ہے اور نیز یہ مشکلات کے وقت ایک مضبوط ڈھال قرار پاتی ہے اور عائلی نظام کی بنیاد کو مضبوطی دینے کا ایک مستحکم سہارا ہے جس کے بارے میں بحث ہو چکی ہے۔

فکری بلندی اور عائلی استحکام میں اسلامی تعلیمات کا کردار

انسانیت نے ہمیشہ اپنی زندگی میں تعلیم و تربیت کے معیار اور مقدار کی پیروی کی ہے۔ مفکرین، ماہرینِ الٰہیات اور ماہرین تعلیم کے نظریات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تعلیم کو زندگی کے فلسفے اور اس کے مقاصد سے جوڑ کر دیکھا ہے۔ انسانی تعلیم کے متعلق اٹھنے والے سوالات اور دور جدید میں فطرت کے ساتھ انسان کے مادی تعلقات کی وجہ سے مقصدِ زندگی کے بارے میں اٹھنے والے سوالات کو غیر اہم سمجھا جاتا رہا ہے۔ صحیح تعلیم و تربیت کی طرف عدم توجہی کا ایک بہت برا اثر یہ ہے کہ انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا جو ہوا و ہوس اور خواہشات نفس کی پیروی میں جکڑتا چلا گیا۔ طغیان و سرکش آمیز ماحول کا بنیادی سبب معصیت و گناہ کی انجام دہی ہے جس نے ہماری موجودہ صدی کو دیوانہ وار انتشار کا شکار بنائے رکھا ہے[3]۔

۱۔ غُرر الحِکم و دُرر الکلم، ح ۸۵۱
۲۔ ایضاً، ۱۰
۳۔ جعفری، محمد تقی، ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۳۲۹

موجودہ دور، اقدار کے کمزور ہونے کا دور ہے جس کا مطلب ہے کہ اخلاقی قدریں اب کوئی معنی نہیں رکھتیں کیونکہ جو اقدار اخلاقیات کا معیار تھیں وہ ختم ہو چکی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مادی سوچ رکھنے والوں نے اخلاقی قدروں کو بہت گرادیا ہے۔ نیہلزم (Nihilism) ایک ایسا مکتب ہے جو کسی اصول یا اقدار کا قائل نہیں ہے[1]۔

مذہبی تعلیمات میں الٰہی اقدار کی بنیادوں کے مطابق عمل کیا جاتا ہے یعنی خدا پر ایمان و یقین کے ساتھ عمل ہوتا ہے جس کے نتیجے میں، اخلاقی خوبیاں، برائیوں اور شہوت انگیز اعمال کی جگہ لے لیتی ہیں اور اخلاقی و تعلیمی بحران درمیان سے اٹھ جاتے ہیں کیونکہ مذہبی تعلیمات میں انسان اپنی مرضی کے مطابق اور معرفت و آگاہی کے ساتھ احکام الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور مومن انسان کا کان، ضمیر، فطرت اور انبیاء کی آواز کو سننے لگتا ہے، شیطان یا ہوس اور لذت کی پکار کو نہیں سنتا۔

ایک اور مسئلہ جو ہمارے معاشرے میں بالخصوص بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ بچوں اور نوجوانوں کو اسلام کی تعلیمات اور اسلامی افکار و نظریات سے متعارف کرایا جائے اور انھیں یہ سمجھایا جائے کہ اسلام زندگی جینے کا طریقہ سکھاتا ہے جس کو اپنا کر وہ اس دنیا میں انسان کو خوشیاں فراہم کر سکتا ہے۔ بچوں اور نوجوانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جائے کہ دینی تعلیمات اخروی فائدے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی انسان کے لئے خوشی اور سلامتی کا باعث ہیں۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ بچوں اور نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات اور بالخصوص معاشرتی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔

اسلام کی نظر میں ایک مضبوط خانوادے کی مثال

اسلام کے نقطہ نظر سے ایک اچھا انسان کسی بھی اچھے انسان کی طرح اسلامی معاشرے کی مثال ہوتا ہے اور معاشرے کو چاہئے کہ وہ اسے نمونہ عمل قرار دے، ایسا نہ ہو کہ ایک اچھا جوان، صرف جوانوں کے لئے نمونہ عمل ہو اور سن رسیدہ افراد، صرف بوڑھوں کے لئے نمونہ عمل ہوں اور عورتیں صرف عورتوں کے لئے نمونہ عمل قرار پائیں بلکہ اگر متقی آدمی ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے لئے مثال بنے۔ اگر مرد ہے تو تمام لوگوں کے لئے نمونہ عمل ہو صرف مردوں کے لئے نہیں اور اگر عورت ہے تو صرف عورتوں کے لئے نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے نمونہ عمل ہو سکے۔

قرآن کریم نے سورہ مبارکہ تحریم کی آیات ۱۲-۱۰ میں اس معاملے کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور چار

۱۔ مطہری، مرتضی، نظام حقوق زن در اسلام، ص ۵۹

عورتوں کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ ان میں سے دو کو نیکی اور اچھائی کے طور پر اور دو کو بدی کے ساتھ یاد کیا ہے اور تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ پیغمبر اسلام ؐ جناب فاطمہ زہراؑ کا بے حد احترام کرتے تھے تا کہ یہ بتا سکیں کہ معاشرے میں عورت کی خاص عظمت ہوتی ہے اور اگر وہ مرد سے برتر نہ بھی ہو تو کمتر بھی نہیں ہے[۱]۔

انسان کی زندگی میں عظیم رول ماڈلز اور نمونہ عمل کی موجودگی انسانی تعلیم و تربیت میں ہمیشہ ایک موثر ذریعہ رہی ہے۔ قرآن نے بھی اس اہم مسئلہ کی تصدیق کی ہے اور قرآن مومنین کے لئے تمام شعبوں میں مثالیں پیش کرتا ہے جیسے اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌحَسَنَةٌفِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ۔ ترجمہ: تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ہے[۲]۔

نتیجہ

عائلی نظام کے استحکام اور اس کی سربلندی میں بہت سے عوامل کار آمد ہوتے ہیں جن میں سے اہم ترین اسباب کو زیر نظر مضمون میں موضوع بحث قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک خانوادے میں باہمی میل و محبت ہے کہ جس کا تعین قانونی حدود اور اخلاقی اصولوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح خانوادہ میں نظم و ضبط اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسلام معاشرے کے کسی بھی شعبے میں انتشار پر نہیں چاہتا بلکہ ہمیشہ تمام انفرادی یا عوامی جہات میں نظم و ضبط کا مطالبہ کرتا ہے۔ تخلیق میں برابری اور مرد اور عورت کے درمیان مساوات کے نظریے پر توجہ کرتے ہوئے خانوادے کے تمام افراد کے ساتھ باہمی تعاون و ہمدردی، الٰہی آئین کے دائرے میں رہ کر ہونا چاہیے اور یہ باہمی تعاون بدعنوانی، رشوت اور حقوق غصب کرنے اور برائیوں کی اشاعت کا ذریعہ نہیں بننا چاہیے۔

خانوادے میں باہمی مشاورت کی کارفرمائی خانوادے کے تمام اعضاء کے مابین افہام و تفہیم اور تعاون کا ایک اہم سبب ہے جو کہ ایک مضبوط اور والہانہ خانوادے کی تشکیل کا باعث ہے اور ساتھ ہی زندگی میں پیش آنے والے مسائل اور رکاوٹوں سے تحفظ کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔ انسان مہر و محبت کا پیاسا ہوتا ہے اور محبت، زندگی میں طاقت فرسا کوششوں اور زحمتوں کا محرک ہوتی ہے کہ جس کے سبب انسان مسلسل متحرک رہتا ہے اور روزی کمانے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی رعایت اگر ان لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو باہمی الفت و محبت رکھتے ہیں تو انسان کی دوستی اور بہتر تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے جس کی سب سے واضح مثال گھرانہ ہے۔

۱۔ موسوی خمینی، روح اللہ، جایگاہ زن در اندیشہ امام خمینی، ص ۳۵

۲۔ سورہ ممتحنہ، آیت ۴

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- بہشتی، احمد، خانوادہ در قرآن، انتشارات طریق القدس، قم، ۱۳۶۱
- تفسیر ہدایت، گروہ مترجمان، بنیاد پژوہش ہای اسلامی آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۳۷۷
- تمیمی آمدی، عبدالواحد بن محمّد، غُرر الحِکم و دُرَر الکَلِم، انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۳۶۶
- جعفری، محمّد تقی، ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۵۸
- جمعیّت زنان جمہوری اسلامی ایران، نگرش گذرا بہ مقام زن در جہان آفرینش، انتشارات ہادی، تہران، ۱۳۶۸
- جوادی آملی، عبداللہ، زن در آیینہ جلال و جمال، مرکز نشر اسراء، قم، ۱۳۷۵
- جہانفر، محمّد، مبانی جمعیّت شناسی، مؤسسہ دہخدا، تہران، ۱۳۷۶
- حرّ عاملی، محمّد بن حسن، آداب معاشرت از دیدگاہ معصومینؑ [بر گزیدۂ وسائل الشیعہ]، ترجمہ محمّد علی فارابی و یعسوب عبّاسی علی کمر، بنیاد پژوہش ہای اسلامی، مشہد، ۱۳۸۶
- حرّ عاملی، محمّد بن حسن، وسایل الشیعہ، مؤسسۃ آل البیت، قم، ۱۴۰۹
- حرّانی، حسن بن علی، تحف العقول، جامعہ مدرّسین، قم، ۱۳۶۳
- حسینی، اکرم، تحکیم خانوادہ در آموزہ ہای قرآنی، فصلنامہ مطالعات راہبردی زنان، شمارہ ۲۶، تہران، ۱۳۸۳
- ڈورنٹ، ویل، لذّات فلسفہ، ترجمہ، عبّاس زریاب، انتشارات آموزش انقلاب اسلامی، تہران، ۱۳۷۱
- رحیمی یگانہ، زہرا، خانوادہ موفّق، انتشارات حدیث راہ عشق، اصفہان
- شریعتی، علی، فاطمہ فاطمہ است، انتشارات شبدیز، تہران، ۱۳۵۶
- شریف الرّضی، محمّد بن حسین، نہج البلاغہ، نسخہ صبحی صالح، بیروت
- طباطبائی، محمّد حسین، المیزان، ترجمہ سیّد محمّد باقر موسوی ہمدانی، جامعہ مدرّسین، قم، ۱۳۶۳
- طباطبائی، محمّد حسین، اسلام و اجتماع، جہان آرا، قم
- طبرسی، حسن بن فضل، مکارم الأخلاق، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۴۱۴
- طبرسی، حسن بن فضل، مجمع البیان، منشورات اسلامیہ، تہران، ۱۳۹۵
- غزّالی، محمّد، کیمیای سعادت، انتشارات علمی و فرہنگی، تہران، ۱۳۷۱
- غلامی، یوسف، اخلاق و رفتارہای جنسی، دفتر نشر معارف، قم، ۱۳۸۴
- کلینی، محمّد، اصول و فروع کافی، دار الکُتُب الإسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵
- مجلسی، محمّد باقر، بحار الأنوار، مؤسسۃ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۴
- مشکینی، علی، ازدواج در اسلام، ترجمہ احمد جنّتی، نشر الہادی، قم، ۱۳۶۹

- مطہری، مرتضی، نظام حقوق زن در اسلام، انتشارات حکمت، تہران، ۱۳۳۶
- مکارم شیرازی، ناصر و دیگران، تفسیر نمونہ، منشورات دار الکُتُب الاِسلامیہ، تہران، ۱۳۵۴
- موسوی خمینی، روح اللہ، جایگاہ زن در اندیشہ امام خمینی، مؤسسہ نشر آثار امام خمینیؒ، تہران، ۱۳۷۸
- مہدوی کنی، محمّد رضا، نقطہ ہای آغاز در اخلاق عملی، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۱
- نوری، حسین، مستدرک الوسائل (ج ۱۳) آل البیت لِاحیاء التّراث، قم، ۱۴۰۸

امام خمینی کی نگاہ میں خواتین کا رتبہ و مقام

مولفہ: محترمہ میناآونج
مترجم: مولاناسید محمد جعفر زیدی

خلاصہ

آج دنیا کے سماجی و علمی حلقوں میں ایک اہم بحث خواتین کے سلسلہ میں امام خمینیؒ کی فکر کا تجزیہ ہے۔ بلاشبہ وہ اسلام کے نئے معاشرتی نظام میں ایک نمونہ تھے اور انہوں نے فکر و عمل میں اسلامی جمہوریہ کے لیے خواتین کے اعلی مقام کی تصویر کھینچی ہے۔

اس مضمون میں خواتین سے متعلق مختلف موضوعات جیسے کہ خاندان میں خواتین کا کردار، لباس و حجاب، سیاسی، سماجی، علمی اور ثقافتی میدان میں خواتین کی موجودگی نیز ایران کے اسلامی انقلاب میں خواتین کے اہم کردار کے بارے امام خمینی کے نظریات و افکار پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آخر کیوں حضرت امام خمینیؒ مسلمان خواتین کی شناخت و شخصیت کو نمایاں کرنا چاہتے تھے اور انھیں خود کے مقام و رتبہ سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔

ہم نے اس پوری تحریر میں امام خمینیؒ کے پیغامات کو بطور سند پیش کرتے ہوئے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ امام خمینیؒ اس مسئلہ کو کافی اہمیت دیتے تھے کہ اگر خواتین اپنے حقوق کے تحفظ اور حجاب و عفت و پاکدامنی کا خیال رکھیں تو مستقبل میں اُن کی آغوش سے مؤمن و بہادر مرد تربیت پائیں گے۔ عورتوں کی ترقی اور کمال کے بارے میں امام خمینی کی فکر مندی اس وجہ سے تھی کہ وہ عورتوں کو معاشروں اور قوموں کی ترقی اور سر بلندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اگر خواتین اپنی اہم ذمہ داری یعنی انسان کی تربیت میں کوتاہی کریں گی تو وہ سماج گمراہی و نابودی سے ہمکنار ہو جائے گا۔

امام خمینیؒ کی نگاہ میں گھر انسانی تربیت کی سب سے پہلی اور اہم درسگاہ، احساسات و جذبات کے ظاہر اور کامل ہونے کی جگہ نیز سماج کا اہم ستون ہے۔ اگر سماج میں خواتین علم و معرفت اور روحانی و اخلاقی کمالات کو

حاصل کر سکیں جسے پروردگار متعال نے تمام انسانوں کے لئے بطور یکساں معین کیا ہے تو اولاد کی بہتر تربیت ہو سکتی ہے اور گھر کا ماحول بھی محبت و انسیت سے لبریز ہوگا اور سماج بھی کافی ترقی کرے گا۔

"ماں کی آغوش سب سے بڑی درسگاہ ہے، بچہ جہاں تربیت پاتا ہے۔ بچہ جو ماں سے سنتا ہے یہ اس چیز کے علاوہ ہے جو وہ استاد سے سنتا ہے۔ بچہ، باپ اور استاد کی بجائے ماں کی آغوش میں بہتر تربیت پاتا ہے"[۱]۔

امام خمینیؒ کے نزدیک سماج کی تربیتی مشکلات اور ہرج و مرج کا سبب بچوں کا ماں کی آغوش سے الگ ہو جانا اور اس وجہ سے ان کے روح میں خلا کا ایجاد ہونا ہے۔آپ کی نظر میں بہت سی سماجی بیماریوں اور برائیوں کی وجہ ماں کی محبت کو صحیح درک نہ کر پانا اور اس سے محروم ہونا ہے۔

"وہ بچے جنھیں ماں کی آغوش سے جدا کر کے بورڈنگ ہاوس میں ڈال دیا گیا، جنھوں نے ماں کی محبت نہیں دیکھی، وہ اندر سے الجھ جاتے ہیں۔ یہی خالی پن اور الجھا پن تمام یا زیادہ تر برائیوں کی جڑ ہے جو انسان میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ جو جنگیں ہوتی ہیں، یہ چوریاں، یہ خیانتیں سب اسی کا نتیجہ ہیں۔[۲]"

امام خمینیؒ کی نگاہ میں، خواتین نہ صرف معاشرے میں اپنے مثبت اور تعمیری موجودگی سے، بلکہ گھر میں مردوں اور بچوں کی نفسیات اور آخر میں معاشرے کی شریانوں میں خون کی طرح شامل ہو کر انسانی ارتقاء کی راہوں کو ہموار کرتی ہیں لہٰذا خواتین ہر معاشرہ کی حرکت کی سمت کو معین کرتی ہیں۔

"بچہ جب ماں کی آغوش میں ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اس کی ماں نیک اخلاق، نیک کردار اور نیک گفتار ہے تو یہ بچہ اسی وقت سے کردار و گفتار میں اپنی ماں کی تقلید شروع کر دیتا ہے جو دوسری تمام تقلیدوں سے بالاتر اور بہتر ہے[۳]۔"

امام خمینیؒ کا یہ ماننا تھا کہ ملک کی سعادت و شقاوت خواتین کے وجود پر منحصر ہے۔ یہ عورت ہے جو صحیح تربیت سے انسان بناتی ہے اور ملک و معاشرہ کو اصلاح کی جانب لے جاتی ہے لہٰذا خواتین کو چاہیے کہ روحانی کمالات و فضائل کو حاصل کرنے کی سعی و کوشش کریں؛ چونکہ معاشرہ میں معنویت اسی کے ذریعہ رائج ہوتی ہے۔

۱۔ صحیفہ امام، ج۹، ص ۲۹۴۔ ۲۹۳

۲۔ گذشتہ حوالہ، ۲۹۳

۳۔ گذشتہ حوالہ، ج۷، ص ۲۸۳

حجاب

رضا شاہ پہلوی کی حکومت میں، زمانہ جاہلیت کی طرح عورت کی شخصیت ناانصافی و تبعیض کے پنجہ میں چکنا چور ہو رہی تھی اور وہ بالہوس انسانوں کا کھلونا تھی۔ رضا شاہ پہلوی کی نگاہ میں عورت کو خوبصورت و دلکش ہونا چاہئیے تھا۔ خوبصورت عورت مغربی سماج میں عورت کی تصویر کی ایک نقل ہے جس میں عورت کی کرامت و شخصیت کو مغرب کے مادی فلسفہ کی قربان گاہ میں قربان کر دیا گیا تھا۔

امام خمینیؒ نے معاشرہ کے انحراف اور اسلامی معاشروں کی خود ساختہ تباہی میں غیر اخلاقی خوبصورت خواتین کے کردار کو بخوبی سمجھا اور پوری بصیرت سے اس سازش کے مقابلہ میں مسلمان خاتون کی شخصیت کو زندہ کیا اور توحیدی آئیڈیولوجی اور عورت کے انسانی رتبہ کے مطابق جو خلیفہ خدا اور کرامت و معنویت کی مالکہ ہے، معاشرہ میں عورت کے کردار کی وضاحت کی۔

امام خمینیؒ کے نزدیک عورت مکر و فریب کا ذریعہ اور کسی کے ہاتھوں کا بازیچہ نہیں ہے بلکہ نیکی و بھلائی کا سرچشمہ ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ عورت معاشرہ کی ترقی و کامیابی میں حصہ دار ہو۔ آپ کے نزدیک عورت ایک ایسی باعظمت ہستی ہے کہ معاشرہ کی سعادت و شقاوت بہت حد تک اس سے وابستہ ہے۔

امام خمینی حجاب کو عورت کے کردار کے تحفظ، معاشرے کی ترقی اور اسے فحاشی سے دور رکھنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ حجاب برقرار رکھنے سے اعلیٰ انسانی اقدار محفوظ ہوتے ہیں اور معاشرے میں روحانی اقدار فروغ پاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

> ”آج خواتین کو چاہیئے اپنی سماجی اور دینی ذمہ داریوں کو ادا کریں اور عمومی عفت و پاکیزگی کو باقی رکھیں اور عفت و پاکیزگی کے ساتھ سماجی و سیاسی ذمہ داریوں کو انجام دیں“[۱]۔

امام خمینیؒ کا حجاب کے مسئلہ پر اتنا زور دینا، سماج میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور حجاب نہ کرنے کی صورت میں ہونے والی برائیوں کو روکنے کی ضرورت کے بارے میں آپ کی بصیرت و دوراندیشی کو واضح کرتی ہے۔ آپ نے نہ صرف حجاب کو علم، فضائل و کمالات اور ثقافت کو حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں جانا بلکہ آپ کے نزدیک حجاب، عفت و پاکدامنی کو بڑھاوا دینے، انسانی اقدار کے مستحکم ہونے، روح کی طہارت و پاکیزگی اور خاندان کی بنیاد کے مضبوط ہونے کا سبب ہے۔

۱۔ صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۱۹۳۔ ۱۹۲

"ایران کی محترم خواتین نے ثابت کر دیا کہ وہ عفت و عصمت کے مضبوط حصار میں ہیں اور مؤمن و طاقتور لڑکے اور عفیف و پاکدامن لڑکیاں اس ملک کو دیں گی اور ہر گز اس راستہ پر نہیں چلیں گی جسے سوپر پاور سیاستدانوں نے اس ملک کی بربادی کے لئے ان کے سامنے رکھا ہے[۱]۔"

امام خمینیؒ کے نزدیک اگرچہ چادر مکمل حجاب ہے لیکن وہ لباس جو چادر سے مشابہ ہو جیسے ڈھیلا ڈھالا نقاب جو برائی کا سبب نہ ہو؛ وہ بھی کافی ہے۔ آپ کا ماننا تھا کہ خواتین کا وہ لباس جو سماج میں برائی پھیلانے کا باعث ہے اور اخلاقی تقاضوں کے خلاف ہے تو اسے روکنا ضروری ہے۔ جیسا کہ پیرس میں رپورٹروں نے ایران میں پردہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"بیشک اسلام کا قانون ہے کہ خواتین حجاب کی رعایت کریں، لیکن ضروری نہیں ہے کہ چادر ہو بلکہ خواتین ہر اس لباس کو پہن سکتی ہیں جس سے ان کا حجاب پورا ہو جائے۔ ہم نہیں چاہتے ہیں بلکہ اسلام نہیں چاہتا ہے کہ عورت کسی سامان یا کھلونے کی طرح مردوں کے ہاتھوں میں رہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ عورت کی شخصیت محفوظ رہے۔ اسلام اسے سماج کا ایک کارآمد عضو بنانا چاہتا ہے۔ ہم ہرگز اجازت نہیں دیں گے کہ عورتیں مردوں کے ہاتھوں کا کھلونا اور سامان ہوس بن جائیں[۲]۔"

یوم خواتین کے موقع پر امام خمینیؒ خواتین کے درمیان فرماتے ہیں:

"توجہ رہے کہ اسلام نے جو حجاب آپ پر واجب کیا ہے وہ خود آپ کی شخصیت کے تحفظ کے لئے ہے۔ پروردگار نے جو کچھ بھی حکم دیا ہے وہ اس لئے ہے کہ جو حقیقی اقدار ان میں پائی جاتی ہیں ممکن ہے شیطانی وسوسوں یا مستکبرین کی سازشوں کی وجہ سے پامال ہو جاتیں، اُن اقدار کو زندہ رکھنا مقصد ہے"[۳]۔

گارڈین اخبار کے صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے عورتوں کی آزادی اور لباس کے انتخاب کے حوالہ سے آپ فرماتے ہیں:

۱۔ صحیفہ امام، ج۱۴، ص۳۵۶

۲۔ گذشتہ حوالہ، ج۵، ص۲۹۴

۳۔ گذشتہ حوالہ، ج۱۹، ص۱۸۵

"خواتین اپنی سر گرمیوں اور اسلامی حدود کے مطابق لباس پہننے میں آزاد ہیں۔ شاہ کی حکومت کے خلاف ہو رہی سر گرمیوں نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ عورتیں پہلے سے زیادہ اسلامی پہناوے میں آزاد ہیں"[۱]۔

امام خمینیؒ کی نگاہ میں خواتین کا علمی و ثقافتی رتبہ

امام خمینیؒ خواتین کے علمی و ثقافتی رتبہ کے لحاظ سے کہ آج کے بچے اور آنے والی نسلیں ان ہی کے دامن میں تربیت پائیں گی، ان کے لئے ایک خاص مقام اور رتبہ کے قائل ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

"خواتین بھی اجتہاد کے رتبہ تک پہنچ سکتی ہیں لیکن وہ دوسروں کے لئے مرجع تقلید نہیں بن سکتیں[۲]۔"

دوسری جگہ پر آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"آپ جانتی ہیں کہ اس پورے عرصہ میں اسلام مظلوم رہا ہے، یہ گذشتہ سو سالوں میں بلکہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد سے آج تک اسلام مظلوم رہا ہے، اسلامی احکام مظلوم رہے ہیں۔ اسلامی کلچر کو زندہ کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ خواتین جس طرح سے مرد حضرات علمی و ثقافتی میدان میں مشغول ہیں آپ بھی مشغول رہیں۔"[۳]

"آپ ایرانی خواتین نے یہ ثابت کر دیا کہ اس تحریک میں آگے آگے رہنے والی ہیں۔ اس اسلامی تحریک میں آپ کا اہم کردار ہے۔ آئندہ آپ اس ملک کی پشت پناہ ہیں۔ آپ علم حاصل کریں، اخلاقی فضائل و کمالات سے خود کو آراستہ کریں۔ آپ کا دامن ایک مدرسہ ہے جس میں بڑی ہستیاں پروان چڑھیں گی۔"[۴]

امام خمینیؒ ہمیشہ اس بات کے خواہاں تھے کہ خواتین مختلف تعلیمی اور ثقافتی شعبوں میں آگے بڑھیں۔ آپ انھیں مختلف علوم سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے۔

"بے پناہ درود و سلام ہو اُن فرض شناس خواتین پر جو اس وقت پورے ملک میں ان پڑھ افراد کو پڑھانے، مختلف علوم کی تدریس اور قرآن کے اعلی مطالب کو پہنچانے میں سر گرم ہیں۔"[۵]

۱۔ صحیفہ امام، ج۴، ص۲۴۷
۲۔ گذشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۱
۳۔ گذشتہ حوالہ، ج۲۰، ص۹
۴۔ گذشتہ حوالہ، ج۶، ص۵۲۱
۵۔ گذشتہ حوالہ، ج۱۴، ص۳۱۷

خواتین کی تعلیم اور علمی ترقی کے لیے امام خمینیؒ کی مسلسل حمایت ان کی ذاتی زندگی اور خاندانی طرز عمل سے عیاں ہے۔ یہ اس حال میں تھا جب معاشرے کے کچھ سماجی طبقوں اور گروہوں نے اپنی لڑکیوں اور عورتوں کو دین اور مذہب کے نام پر علم وفضیلت حاصل کرنے سے یہاں تک روک دیا کہ ان میں سے بعض بنیادی علم سے بھی محروم رہ گئیں۔ امام خمینی کے خاندان کی خواتین میں اعلیٰ تعلیم اور علمی کمالات کا حصول اس جہالت کے خلاف ان کی عملی جدوجہد کی دلیل ہے۔

سماجی اور سیاسی میدان میں خواتین کا کردار

امام خمینیؒ کے نزدیک مردوں کی طرح خواتین کو بھی تمام سیاسی و سماجی میدانوں میں حاضر ہونا چاہیئے یعنی صرف مردوں کے سماجی فرائض ادا کر دینے سے معاشرہ آباد نہیں ہو سکتا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے کامیاب ہونے کے بعد سیاسی و سماجی میدان میں خواتین کی فعال موجودگی اور مختلف شعبوں میں بھرپور شرکت کی تاکید کی ہے۔

۷ دسمبر ۱۹۷۸ کو لاس انجلس ٹائمز کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں امام خمینیؒ یونیورسٹیز میں خواتین کی موجودگی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> "خواتین اسلامی معاشرے میں آزاد ہیں اور انہیں یونیورسٹیوں، دفاتر اور پارلیمنٹ میں جانے سے کسی طور پر بھی نہیں روکا جاتا۔ جس چیز سے روکا گیا ہے وہ اخلاقی بے راہ روی ہے جس میں مرد اور عورت برابر ہیں اور یہ دونوں کے لیے حرام ہے"[1]۔

دنیا میں خواتین کا ایک خاص کردار ہے۔ کسی بھی معاشرہ کی بھلائی یا برائی اس معاشرہ کی خواتین سے تعلق رکھتی ہے۔ عورت ہی وہ ہستی ہے جو اپنے دامن سے ایسے افراد معاشرہ کو دیتی ہے جن کی برکتوں سے نہ صرف ایک سماج بلکہ کئی سماج اعلی انسانی اقدار و استقامت سے لبریز ہوتے ہیں اور بالکل اس کا برعکس بھی ممکن ہے۔

امام خمینیؒ کی نظر میں اسلامی نظام میں، خواتین بحیثیت انسان، اسلامی معاشرے کی تعمیر میں مردوں کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتی ہیں:

۱۔ صحیفہ امام، ج۵، ص ۱۸۳

"خواتین کو چاہئے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں، اسلامی جمہوری میں خواتین ووٹ دے سکتی ہیں جس طرح سے مرد حضرات ووٹ دیتے ہیں، عورتوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے"[۱]۔

"خواتین کو حق حاصل ہے کہ وہ سیاست میں مداخلت کریں، یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ علما کو بھی حق حاصل ہے کہ سیاست میں مداخلت کریں یہ ان کی ذمہ داری ہے"[۲]۔

اسلامی انقلاب کی تحریک میں خواتین کا کردار

امام خمینیؒ کا ماننا ہے کہ اس انقلاب کو کامیاب بنانے میں خواتین و مرد حضرات دونوں نے برابر سے جانفشانی کی ہے۔ عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ خود مختاری، آزادی جمہوری اسلامی کا نعرہ لگایا۔ فرض شناس، شیر دل خواتین نے مردوں کے ساتھ مل کر ایران کی تعمیر میں برابر کا حصہ لیا۔ ۱۱ نومبر سنہ ۱۹۷۸ کو ایک عربی جریدہ "القومی العربی" کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

"شاہ کی جیلیں بہادر خواتین سے بھری پڑی ہیں۔ سڑکوں پر ہونے والے مظاہروں میں ہماری خواتین ٹینکوں، توپوں اور مشین گنوں سے ہراساں ہوئے بغیر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو سینے سے لگائے میدان جنگ میں اتر آئی ہیں۔ ایران کے مختلف شہروں میں خواتین نے بہت سی سیاسی ملاقاتیں کی ہیں۔ انہوں نے ہماری تحریک میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ فرزندان اسلام کی دلیر ماؤں نے بہادر خواتین کی بہادری اور شجاعت کی یاد تازہ کر دی ہے۔ تاریخ میں کہاں بھلا آپ کو ایسی خواتین ملیں گی؟"[۳]۔

"یہ کامیابی ہمیں مردوں سے ملنے سے پہلے عورتوں سے ملی ہے۔ ہماری معزز خواتین ہمیشہ آگے آگے تھیں۔ ہماری خواتین سبب بنیں کہ مردوں میں جرات و ہمت پیدا ہوئی۔ ہم آپ کی زحمتوں کے مقروض ہیں، اور ہمیشہ آپ سب کے لیے دعا گو ہیں"[۴]۔

۱۔ صحیفہ امام، ج۶، ص ۳۰۰
۲۔ گذشتہ حوالہ، ج۱۰، ص ۱۵
۳۔ گذشتہ حوالہ، ج۴، ص ۴۴۰
۴۔ گذشتہ حوالہ، ج۷، ص ۶

امام خمینیؒ نے ہمیشہ اس تحریک میں خواتین کی موجودگی کو سراہا ہے اور خواتین کو تمام بھلائی و خیر کا منشا سمجھا ہے۔ بہت کم لوگوں نے امام خمینی کی طرح خواتین کی کاوشوں اور کوششوں کی قدر کی ہے۔

ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی سیرت پر چلنے والی خواتین نعرہ لگا رہی تھیں کہ انہوں نے اپنے بچوں کو کھو دیا اور اپنا سب کچھ خدا اور عزیز اسلام کی راہ میں قربان کر دیا، اور اس بات پر وہ فخر کرتی ہیں وہ جانتی ہیں کہ جس چیز کو انھوں نے حاصل کیا ہے وہ جنت نعیم سے زیادہ افضل ہے، چہ جائیکہ اس دنیا کی معمولی چیزیں۔[۱]

نتیجہ

اس مضمون میں پانچ مختلف موضوعات میں امام خمینیؒ کے نظریہ کو پیش کیا گیا ہے جیسے حجاب و لباس، خواتین اور خاندان کی بنیاد، خواتین اور سماجی سرگرمیاں، خواتین کی سماجی اور سیاسی سرگرمیاں اور اسلامی انقلاب کی تحریک میں خواتین کا کردار۔

تمام باتوں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خواتین، مردوں کی طرح، تمام مختلف سماجی شعبوں میں فعال کردار ادا کرسکتی ہیں۔ امام خمینیؒ مردوں کی طرح خواتین کو بھی علمی و ثقافتی میدان میں نمایاں کردار ادا کرنے کی تاکید کرتے۔

امام خمینی کے نزدیک عورت خیرات اور سعادت کا ذریعہ ہے جسے معاشرے کی ترقی و کامیابی کے لیے استعمال کرنا چاہئے۔ اس لیے اسے ایک باوقار اور عظیم ہستی کے طور پر دیکھا جو بڑے پیمانے پر معاشرے کی سعادت و شقاوت طے کرتی ہے۔

امام خمینیؒ کا ماننا تھا کہ عورت و مرد دونوں نے مل کر ایک ساتھ اسلامی تحریک کو کامیاب کیا۔ مردوں کے شانہ بشانہ خواتین نے بھی خود مختاری، آزادی اور اسلامی جمہوریہ کا نعرہ لگایا۔ ایران کی فرض شناس خواتین نے مردوں کے ہمراہ ایران کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۔ صحیفہ امام، ج۲۱، ص۳۹۸

منابع و مآخذ

- امام خمینی، استفتائات، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۹۸۷
- امام خمینی، رہ عشق، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تہران، ۲۰۰۸
- امام خمینی، صحیفہ امام (تقریریں، پیغامات، انٹرویوز، احکام، شرعی اجازہ اور خطوط) مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تہران، ۲۰۰۸
- امام خمینی، ندای حق، کمیل، تہران، ۱۹۷۸
- در جستجوی راہ از کلام امام، انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۹۸۱
- سرگذشتہای ویژہ از زندگی حضرت امام، انتشارات پیام آزادی، ۱۹۹۷
- سیمای زن در کلام امام خمینی، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، تہران، ۱۹۹۵

امام خمینی کی نگاہ میں خواتین کی سماجی امور میں شرکت اور شوہر کے حقوق کی رعایت

گروہ مؤلفین: عبدالعلی توجہی، زہرا حق محمدی

مترجم: مولانا سید محمد جون عابدی

خلاصہ

اسلام ایسا دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام امور پر توجہ رکھتا ہے اور وہ تمام مسلمانوں کو سماجی امور میں حصہ لینے کی تاکید کرتا ہے جس کا لازمہ یہ ہے کہ خواتین بھی سماجی امور میں شرکت کریں لیکن عورت کی سماجی امور میں شرکت کبھی کبھی شوہر کے حقوق سے ٹکرانے لگتی ہیں جیسے کہ شوہر کے جنسی حقوق، بچوں کی تربیت، گھریلو کام کاج میں خلل و غیرہ۔ تو اب اس بہانے سے خاتون کو سماجی سرگرمیوں سے روک دینا نہ صرف عورت کی انسانی شان کی خلاف ہے بلکہ عورت اور سماج دونوں کے لئے نقصاندہ بھی ہے۔ عورت کو سماجی امور میں کام کرنے سے روکنا دو قسم کے نقصان کا سبب بنتا ہے۔

۱۔ مرد اور خانوادہ کو نقصان ہو سکتا ہے۔

۲۔ اس کا نقصان عورت اور معاشرہ کو بھی ہو سکتا ہے۔

اس مسئلہ کا حل "قاعدہ لاضرر" ہے۔ جس مقام پر امور آپس میں ٹکراتے ہیں وہاں فقہا حضرات ایک عام اصول استعمال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس ٹکراؤ کا نقصان کم اور زیادہ ہو سکتا ہے اور اس کمی اور زیادتی کے درجات مختلف ہو سکتے ہیں۔ اگر عرف عام میں ضرر اور نقصان بہت کم اور قابل چشم پوشی ہو تو مرد خاتون کو سماجی کاموں سے روک نہیں سکتا ہے لیکن اگر ضرر اور نقصان اتنا زیادہ ہے کہ اس سے چشم پوشی ممکن ہی نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں خواتین کو سماجی امور انجام دینے کی صلاح نہیں دی جاتی ہے۔ لیکن اگر دونوں نقصان مساوی ہوتے ہیں تو فقہا اس مقام پر یا عام اصولوں کی طرف رجوع کرتے ہیں یا قرعہ کا سہارا لیتے ہیں۔

مقدمہ

گھر اور خانوادہ اگرچہ معاشرہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے لیکن وہ معاشرے اور سماج میں ایک بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ ماہرین نفسیات، سماجیات، اقتصادیات اور قانون شناس افراد کی اس مسئلہ پر خاص توجہ رہی ہے۔ اور تمام انسانی رہنماؤں نے اس مسئلہ کی حمایت اور اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔

رسول اسلامؐ اپنے نزدیک شادی اور خانوادہ کی تشکیل کو ہر چیز سے زیادہ محبوب و پسندیدہ قرار دیتے ہیں لیکن اسی عظمت کے پیش نظر کچھ ایسے مسائل ہیں جو اس عمل کو بہت حساس بنادیتے ہیں جس کی وجہ سے شادی اور گھریلو زندگی کو نشیب و فراز کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور کبھی تو اس کے وجود ہی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اقتصادی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی امور میں وسیع پیمانہ پر خواتین کی شرکت ایک ایسا مسئلہ بن گیا ہے جس نے خانوادہ اور اعضاء خانوادہ کو بہت پیچیدہ مسائل سے روبرو کردیا ہے۔ فقہ اور اسلامی قانون کی رو سے اسلامی احکام اور خانوادگی مسائل کے سلسلہ میں ایک اہم اصول جس کا استعمال بہت زیادہ ہے وہ "قاعدہ لاضرر" ہے۔

شہید مطہریؒ اس قاعدہ کی اہمیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> "ایک اور جہت اور چیز جس نے دین اسلام کو تحرک بخشا اور زندہ رکھا ہے وہ اس دین میں کچھ ایسے اصول و قواعد کا ہونا ہے، جن کا کام دوسرے قوانین کو کنڑول کرنا اور انہیں معتدل بنائے رکھنا ہے۔ فقہائے کرام ان اصول کو "قواعد حاکمہ" کہتے ہیں، جیسے قاعدہ "لاحرج"، قاعدہ "لاضرر" جو تمام فقہی قوانین پر حاکم ہیں۔ ان کا کام دیگر قوانین کو کنڑول کرنا اور انہیں معتدل بنانا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ اسلام نے ان اصولوں کو دیگر قوانین کے مقابلہ میں "ویٹو پاور" دے رکھا ہے"۔[۱]

قاعدہ "لاضرر" بھی بہت سے شرعی احکام و نصوص کو معتدل بنانے کا کام کرتا ہے اور اس کے لئے مستحکم دلیلیں بھی موجود ہیں جو آیات روایات سے اخذ کی گئی ہیں۔ اس قاعدہ کو شیعہ اور سنی دونوں ہی مذہب کے علماء قبول کرتے ہیں اور انہوں نے متعدد فقہی ابواب میں اس قاعدہ سے استناد بھی کیا ہے۔

اب اس بات کے پیش نظر کہ عقد نکاح ہوتے ہی زوجہ اور شوہر کی نسبت ایک دوسرے کے حقوق کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ان حقوق کی رعایت دونوں کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ اس تحریر میں جو اہم سوال اٹھایا گیا ہے

۱۔ مطہری، ۱۳۷۶: ۱۳۶

وہ یہ ہے کہ خواتین کی سماجی سرگرمیوں اور ان پر مردوں کے حقوق کے درمیان کوئی ٹکراؤ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر اس ٹکراؤ کو ختم کرنے میں "قاعدہ لاضرر" کا کیا کردار ہوگا؟ کیا اس قاعدہ کو مردوں کے حقوق کے حق میں جاری کر کے عورت کو سماجی سرگرمیوں سے روک دینے کا لازمہ اسے اس کے مسلم حق سے محروم کر دینا نہیں ہوگا؟ بلکہ کیا ایک شخص کی مصلحت کو معاشرے کی مصلحت پر ترجیح دیا جاسکتا ہے، کیا معاشرے کو خواتین جیسی بڑی کام کرنے والی طاقت کے فائدے سے محروم کیا جاسکتا ہے؟

ان سوالوں نے محققین کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ حقوق زوجین کے ٹکراؤ کی صورت میں قاعدہ لاضرر کی اہمیت اور اس کے کردار کے سلسلہ میں تحقیق کریں اور فقہی و حقوقی میدان میں امام خمینیؒ اور دیگر علماء کے نظریات کی مدد سے اس کا حل پیش کریں۔

اب یہاں فرض یہ ہے کہ گھریلوں ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اگر عورت سماجی سرگرمی میں مشغول ہے تو یہ دونوں امور ایک ساتھ ہو سکتے ہیں۔ اس بات کے پیش نظر تین باتیں یہاں بیان ہونگی۔

۱) عورت اور سماجی سرگرمیاں

شرعی دلیلوں سے ثابت ہے کہ اسلامی معاشرے میں کردار ادا کرنے کے لئے اللہ نے عورت کے لئے جو ایک بہت بڑی اور اہم ذمہ داری رکھی ہے وہ گھریلو امور کو منظّم کرنا اور بچوں کی تربیت ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں "جهاد المراة حسن التبعل"[۱] اور "لا شفيع للمراة انجح عند ربها من رضا زوجها"[۲] جیسے ائمہؑ کے ارشادات پائے پاجاتے ہیں لیکن اس کے باوجود واضح رہے کہ یہ صرف عورت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ عورت کو گھر میں قید کر دینا اور شوہر اور بچوں کے امور تک محدود کر دینا اسے پژمردہ بنادیگا اور اس کی شان کو گرا کر شوہر اور بچوں کی خادمہ کی حد تک محدود کر دے گا۔ اسلامی انقلاب ایران کے بانی امام خمینیؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> یہ غلط پروپگنڈا کیا جارہاہے کہ اگر اسلام آگیا تو عورتیں گھر میں بیٹھ جائیں گی، دروازوں پر تالا لگا دیا جائے گا تاکہ باہر نہ آسکیں۔ یہ اسلام کی طرف کیسی باتوں کی نسبت دی جارہی ہے اسلام کی شروعات میں خواتین فوجوں میں ہوا کرتی تھیں؛ میدان جنگ میں جاتی تھیں تو کچھ احکام مردوں کے لئے ہوتے ہیں اور کچھ خواتین کے لئے جو ان سے مخصوص ہیں۔ اس کا

۱۔ شیخ مفید ۱۴۱۳: ۳۹

۲۔ حر عاملی ۱۴۰۹ ج ۲: ۲۲۲

مطلب یہ ہر گز نہیں ہوتا کہ اسلام نے مرد و عورت کے درمیان امتیازی فرق رکھا ہے۔
عورت و مرد کالج اور یونیورسٹی جانے میں آزاد ہیں، ووٹ دینے اور لینے میں آزاد ہیں۔[۱]

تو پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کے مطابق خانوادگی زندگی کے ساتھ سماجی امور اور سیاسی، معیشتی اور ثقافتی سرگرمیوں میں شرکت خواتین کا مسلم حق ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اور اس سلسلہ میں مرد وزن مساوی ہیں۔ اسلام میں مردوں کی طرح خواتین کے بھی سماجی امور کو انجام دینے کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ رسول اللہؐ نے اس کو ترک کرنے کو دین سے خارج ہونے کے مساوی قرار دیا ہے:

مَنْ أَصْبَحَ لایَهْتَمُّ بِأُمورِ الْمُسْلمینَ فَلَیْسَ منهم[۲] جیسا کہ خود جناب زہراؑ، حسنینؑ کا ہاتھ پکڑ کر مہاجرین وانصار کے گھروں پر جاتی تھیں اور ان سے چاہتی تھیں کہ راہ رسالت میں جناب امیر المؤمنینؑ کی پیروی کریں اور ان کی نصرت کریں[۳]۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر جو ایک بڑا دینی فریضہ ہے قرآن کی رو سے اسے مرد و عورت کے لئے برابر قرار دیا گیا ہے[۴] جس سے پتہ چلتا ہے کہ سماجی میدان میں عورت کا ہونا لازمی ہے۔

سورہ ممتحنہ کے نزول کے بعد خواتین کا بیعت عقبہ اول ودوم میں شرکت کرنا جو بیعۃ النساء کے نام سے مشہور ہے، یا بیعت رضوان اور غدیر خم میں رسول خداؐ کی بیعت کرنا، ابتدائے اسلام کی جنگوں میں اسلامی سپاہیوں کے کھانے پانی کا انتظام، زخمیوں کی تیمارداری، حبشہ اور مدینہ کی ہجرت میں شریک ہونا وغیرہ ایسے شواہد ہیں جو اسلام کی رو سے خواتین کے سماجی امور میں شرکت کی نشاندہی کرتے ہیں لہٰذا اسلام، عورت کے سماجی امور میں شرکت کے لئے کسی محدویت کا قائل نہیں ہے بلکہ قوانین کی رعایت اور شرعی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ انہیں انجام دینے کی تاکید کرتا ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

"مذہب تشیع نہ صرف خواتین کو سماجی امور میں شرکت سے نہیں روکتا بلکہ سماجی میدان میں ان کے بلند مقام و منزلت کا بھی قائل ہے"[۵]۔

۱۔امام خمینی، ۱۳۸۵، ج۵: ۲۱۷-۲۱۶
۲۔کلینی، ۱۳۶۵، ج۲: ۱۶۳، ح۱
۳۔مدرسی، ۱۳۸۰: ۲۹
۴۔سورہ توبہ، آیت ۷۱
۵۔مؤسسہ تنظیم نشر آثار امام خمینیؒ، ۱۳۸۴: ۲۸

لیکن اس بات پر توجہ ہونی چاہئے کہ دین کی دو سطحیں ہوتی ہیں ایک اوپری اور ایک اندرونی۔ اور دینی احکام ایک مجموعہ کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اگر ہم دین کو اوپری سطح سے دیکھیں گے اور اس کے کچھ احکام کو اس مجموعہ سے الگ رکھ کر سمجھنا چاہیں گے تو بہت سے احکام کو نہیں سمجھ سکیں گے تو کسی بھی دین کی حقانیت اور اس کے بطلان کو سمجھنے کے لئے اس کے پورے مجموعے اور اس کے اجزاء کے درمیان رابطہ کو سمجھنا ضروری ہے[۱]۔

خواتین کی سماجی سرگرمیوں اور بعض الٰہی یا انسانی حقوق کے درمیان ٹکراؤ کی صورت میں ان کے لئے پیش آنے والی کچھ مطلوب اور پسندیدہ محدودیتوں کو سمجھنے اور ان پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے ورنہ خواتین کی یہ تمام کوششیں اور زحمات مال و مقام کی محبت اور چاہت کے علاوہ کچھ اور نہ ہونگی[۲]۔ اس ٹکراؤ کا ایک واضح نمونہ خواتین کی سماجی سرگرمی اور حق زوجیت کے درمیان ٹکراؤ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کچھ سماجی سرگرمیاں شوہر کے حق کے منافی ہوں اور کچھ شوہر کے حقوق کے بجائے گھریلو مصلحتوں کے بھی منافی ہوں۔

اس طرح کے ٹکراؤ کے ذکر سے پہلے مناسب ہے کہ زوجیت کی صورت میں عائد ہونے والے کچھ ان حقوق پر ایک نگاہ ڈال لی جائے جن کا سیدھا تعلق خواتین کی سماجی سرگرمیوں سے ہوتا ہے۔ نیز ان سماجی سرگرمیوں کو بھی بیان کیا جائے جن کے سائے میں انسانی صلاحیتیں شگوفا ہوتی ہیں۔

تعلیم اور تعلم: اسلام کی نگاہ میں تعلیم و تعلم کی بہت اہمیت ہے۔ اس سلسلہ میں رسول خداؐ سے منقول کچھ احادیث کا یہاں ذکر کرنا مناسب ہے:

طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَةٌ عَلیٰ کُلِّ مُسلِمٍ، ألا إنَّ اللهَ یُحِبُّ بُغاةَ العِلمِ۔[۳]

اطلبوا العلم ولو بالصین[۴]۔

اطلبوا العلم من المھد الی اللحد[۵]۔

زَکاةُ العِلمِ أن تُعَلِّمَهُ عِبادَاللهِ۔[۶]

۱۔ فنائی اشکوری، ۱۳۷۸: ۲۱
۲۔ آیت اللٰہی، ۱۳۸۰: ۱۹
۳۔ کلینی، ۱۳۶۵: ج۱: ۳۱
۴۔ حر عاملی، ۱۴۰۹، ج ۲۷: ۲۷
۵۔ مجلسی، ۱۴۰۴، ج۱: ۱۷۷
۶۔ کلینی، ۱۳۶۵، ج۱: ۴۱

ان احادیث میں مرد اور عورت کو برابر سے خطاب کیا گیا ہے اور یہ سب تعبیریں اسلام کی نگاہ میں علمی ترقی اور تعلیم کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے انسانی معاشرے سے جہالت کو دور کرنے کی تاکید کرتی ہیں۔ مردوں اور خواتین کی مشترک توانائیوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر شرعی فرائض کی رعایت کے ساتھ اسلام عورت کے لئے یہ امکان فراہم کرتا ہے کہ وہ تعلیم اور تعلم کے میدان میں ترقی کرے۔ اسی بات کے پیش نظر آج مسلمان خواتین اور لڑکیاں علم کے مختلف میدانوں میں پیشا پیش ہیں اور بلند مقام حاصل کر رہی ہیں۔ رہبر انقلاب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> "عورتوں اور لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی چاہئے اور قانونی طور پر اعلیٰ علمی مراکز میں لڑکیوں کے داخلہ کا انتظام کیا جانا چاہیے؛ کیونکہ خواتین علم و معرفت کی طاقت اور قانون کے ساتھ ہی اپنے حق کا دفاع کر سکتی ہیں"۔[۱]

ایک دوسرے مقام پر امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

> "جس طرح مرد حضرات مختلف امور میں شرکت کرتے ہیں آج خواتین کو بھی ان امور میں شرکت کرنا چاہئے اور انہیں صحیح تعلیم وتربیت حاصل کرنی چاہئے اور وہ ہر چیز میں صحیح طور پر شریک رہیں"[۲]۔

چنانچہ امام خمینیؒ کی نگاہ میں خواتین کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ شرعی قوانین کی رعایت کے ساتھ اپنے تعلیمی حقوق اور وسائل سے بہرمند ہو سکتی ہیں اور تعلیم وتربیت کا لازمہ سماجی امور میں ان کی شرکت ہے۔

سیاسی سرگرمیاں: اسلام کی رو سے مرد و زن دونوں اپنے انسانی اور فطری حقوق سے بہرہ مند ہونے میں مساوی ہیں۔امام خمینیؒ کی تعبیر کے مطابق:

> حق کے لحاظ سے مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں انسان ہیں اور عورت بھی مرد کی طرح اپنے امور میں آزاد ہے۔اگرچہ بعض موارد میں مرد و عورت کے درمیان فرق ہے لیکن اس کا تعلق ان کی انسانی حیثیت سے نہیں ہے جو مسائل نسوانی شرافت اور حیثیت کے منافی نہیں ہیں، خواتین ان کے سلسلہ میں آزاد ہیں[۳]۔

۱۔ محمودی، ۱۳۷۸: ۷۲

۲۔امام خمینی، ۱۳۸۵، ج۳: ۱۹۳

۳۔امام خمینی، ۱۳۸۵، ج۴: ۳۶۴

اسلام میں امور مسلمین کے اہتمام کی تاکید اور اس سلسلہ میں لاپرواہی کی مذمت اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام سیاسی امور میں مرد و خواتین کے مختلف طبقوں کی شرکت کو اہم جانتا ہے۔ اگرچہ فقہاء نے خواتین کی سیاسی سرگرمی کے سلسلہ میں کوئی مستقل بحث نہیں کی ہے لیکن تاریخی مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں رسول خداؐ کی بیعت، تحریک کربلا اور دیگر سیاسی اور سماجی تحریکوں میں خواتین کی بہت زیادہ شرکت اور خدمات رہی ہیں۔ اس کے علاوہ سورہ سبا کی آیت ۲۳ سے ۴۱ میں ملکہ بلقیس اور ان کے حکومت کرنے کا تذکرہ بھی جمہوریت اور شورائی نظام کے سلسلہ میں اسلام کے نظریہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں "غزوۃالنساء" کا ایک مستقل باب موجود ہے۔

ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد خواتین کے لئے مختلف میدانوں خصوصا یونیورسٹیز، علمی مراکز، سیاسی امور وغیرہ میں فعالیت اور سرگرمی کے مواقع پہلے سے زیادہ اور وسیع پیمانے پر فراہم ہوئے ہیں۔ امام خمینیؒ بھی اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے مختلف سیاسی اور سماجی میدانوں میں خواتین کی پرزور شرکت کی تاکید کرتے رہے ہیں اور اس چیز کو نہ صرف ان کا حق بلکہ فریضہ بھی قرار دیتے تھے اور اس کو ترک کرنا جائز نہیں جانتے تھے۔ ان کی بیانات کے کچھ نمونے یہ ہیں:

> "سیاست میں آنا خواتین کا حق ہے؛ یہ ان کا فرض ہے"[1]۔
>
> "تمام اسلامی قوانین معاشرے کی مصلحت کی خاطر ہیں۔ خواتین کو ملک کے بنیادی مسائل میں شریک ہونا چاہئے"[2]۔
>
> "ابتدائے اسلام کی خواتین نے مردوں کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی تھی۔ خواتین کو چاہئے کہ اپنی قسمت کے تعین میں شریک رہیں"[3]۔

لہٰذا آج کے زمانہ میں سیاسی سرگرمی خواتین کی فعالیت کا اہم میدان اور ان کی صلاحیتوں کی ترقی اور ان کے نکھرنے کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ساتھ گھریلو حالات کی بہتری اور اس میں عورت کا کردار بھی سامنے آیا ہے اور اب اگر اس سلسلہ میں منصفانہ حکمت سے کام نہیں لیا گیا تو ممکن ہے کہ یہی امر خانوادہ اور افراد خانوادہ کے لئے مشکلات اور مسائل کا سبب بن جائیں۔

۱۔ امام خمینی، ۱۳۸۵، ج۱۰: ۱۵

۲۔ ایضاً، ۱۳۸۵، ج۶: ۳۰۱

۳۔ ایضاً، ۱۳۸۵، ج۶: ۳۰۰

اقتصادی سرگرمیاں: انسانی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے پہلے خواتین کو چھوٹے مسائل میں بھی دخالت کا حق نہیں تھا اور ملکیت اور وراثت جیسے حقوق سے بھی محروم تھیں بلکہ بہت سے معاشروں میں تو خود عورت کو مال اور ملکیت شمار کیا جاتا تھا جو مرد کے مرنے کے بعد اس کے کسی ایک بیٹے کو ورثہ کے طور پر ملتی تھی؛[1] لیکن آج اسلامی تعلیمات کی برکت کے سائے خواتین کو اپنے حلال مال یا میراث کا مالک شمار کیا جاتا ہے؛ بلکہ انہیں معاشرے میں مردوں ہی کی طرح ہر قسم کے اقتصادی کام کرنے کا حق ہے۔

ابتدائے اسلام میں خواتین کا تجارت، کاریگری، چوپانی، کپڑوں کا کام وغیرہ کرنا[2] خواتین کے اقتصادی اور معیشتی امور میں شرکت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سورہ نساء آیت ۳۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔

ترجمہ: مردوں کا حصہ ہے (مال و اعمال وغیرہ سے) جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کا حصہ ہے جو کچھ انہوں نے کمایا۔

یعنی اسی طرح جیسے مرد اپنی کمائی ہوئی چیز کے مالک ہوتے ہیں عورتیں بھی اپنی کمائی ہوئی چیز کی مالک ہیں۔ اس بات سے عورت کے حق کے ساتھ ان کے کام کرنے کا جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں کمائی کے حلال ہونے کو فرض کیا گیا ہے اور اس کے بعد اس کے مالکیت کی بات کی گئی ہے تو اسلام کی رو سے اقتصادی فعالیت نہ صرف جائز ہے بلکہ سب کو اس کی طرف دعوت بھی دی گئی ہے[3]۔ اور آج اقتصادی سرگرمیوں اور اہم سماجی عہدوں پر ہونا خواتین کی سماجی سرگرمیوں کا ایک اہم میدان ہے۔ آج کی دنیا میں مرد و عورت کی جنسیت اور ان کے کردار کے سلسلہ میں بہت سی قابل غور تبدیلیاں وجود میں آئی ہیں۔ بڑی تعداد میں خواتین کام کے بازار میں وارد ہو گئی ہیں اور اب زبانوں پر ہاؤس ہزبنڈ کا لفظ رائج ہو گیا ہے۔

بہت سے اداروں میں تو نوزاد بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کے سلسلہ میں مادری ذمہ داری کے بجائے باپ کی ذمہ داری کی تعبیر استعمال ہونے لگی ہے۔ سن ۱۹۰۰ میں جہاں صرف ۲۰٪ خواتین گھر سے باہر کام کرتی تھیں وہیں ۱۹۸۷ آتے آتے یہ تعداد ۵۵٪ سے زیادہ ہو گئی تھی جن میں تین چوتھائی تعداد پورے وقت کرنے والی خواتین کی تھی[4]۔ اگرچہ اقتصادی، طبّی، تعلیمی، تجارتی، اور دیگر مختلف سماجی میدانوں میں خواتین کی شرکت

۱۔ سورہ نساء، آیت ۲۲

۲۔ فاضلی، بیارجمندی، ۱۳۸۱: ۲۱۴-۲۱۰

۳۔ فاضلی، بیارجمندی، ۱۳۸۱: ۱۹۵

۴۔ فنائی اشکوری، ۱۳۸۷: ۳۸-۳۹

اور فعالیت وسیع پیمانہ پر ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی بہت سے مفکرین اور دانشمند حضرات کا یہی ماننا ہے کہ خاتون کی بنیادی اور اصلی ذمہ داری بچوں اور شوہر کا خیال رکھنا ہے۔

پارسونز خواتین کے باہر کام کرنے کے سخت مخالف تھے اور انہوں نے اپنے نظریہ "تفکیک نقشا" یعنی ذمہ داریوں کا مختلف ہونا، میں یہ کہا ہے کہ عورت کے باہر کام کرنے سے خانوادگی نظام کو سخت خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور اس کا بچوں پر غلط اثر پڑے گا۔ ان کے مطابق اس عمل سے خانوادہ بکھر سکتا ہے اور معاشرہ پر اس کے برے اثرات مترتب ہونگے[۱]۔

جب کہ اس کے مقابلہ میں بعض دوسرے افراد کا کہنا ہے کہ باہر کے کام کرنے سے عورت میں خوداعتمادی، مالی استقلال اور سماجی امور کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا اور وہ تعلیمی، مہارتی اور فنی وسائل سے بہتر طور پر بہرہ مند ہو سکیں گی جس کے نتیجہ میں انکی شخصیت مضبوط ہو گی[۲]۔

بوعلی سینا سے نقل ہوا ہے کہ اگر عورت خالی اور بیکار رہے گی تو برائیوں اور منفی افکار کا شکار ہو جائے گی اور خود کو بیہودہ اور بیکار کے کاموں میں مشغول کر دے گی اس لئے مرد کو چاہئے کہ اسے اہم کاموں میں مشغول کر دے[۳]۔ چنانچہ آج کے دور میں خواتین گھر کے خرچ پورا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور گذشتہ افراد کے برخلاف کسی پر بوجھ نہیں ہیں۔

۲) شوہر کے حقوق

نکاح کے بعد میاں بیوی پر ایک دوسرے کی نسبت کچھ ذمہ داریاں اور حقوق عائد ہوتے ہیں جن کی پابندی سے گھریلو نظام مستحکم ہو جاتا ہے اور یہ گھر کے اراکین کی سعادت اور ان کی تقویت کا سبب بنتی ہے۔ مجموعی طور پر ان حقوق اور ذمہ داریوں کا دو حصوں میں تجزیہ کیا جا سکتا ہے:

۱) وہ حقوق اور فرائض جو دونوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں جیسے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور بہتر سلوک جس کو اسلامی تعلیمات میں معاشرت بہ معروف سے تعبیر کیا گیا ہے[۴]۔ یا گھریلوں بنیادوں کو مضبوط کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون اور ایک دوسرے کے ساتھ وفادار رہنا وغیرہ۔

۲) مخصوص حقوق و فرائض: اس حصہ میں ایسے حقوق و فرائض کی بات ہے جو صرف شوہر یا زوجہ سے مخصوص ہوتے ہیں۔ جیسے مرد پر نفقہ اور مہر کی ذمہ داری، زوجہ پر شوہر کے لئے تسلیم ہونا، حق طلاق، گھر کی

۱۔ زعفرانچی، ۱۳۸۸: ۱۷۴
۲۔ منصور نژاد، ۱۳۸۱: ۱۳۹
۳۔ منصور نژاد، ۱۳۸۱: ۱۳۱
۴۔ سورہ نساء، آیت ۱۹

سرپرستی وغیرہ۔ تو اس تحریر میں "گھر میں مرد کی حکومت و سربراہی" اور "تمکین" یعنی عورت کا مرد کے لئے جنسی تعلقات کے لئے تسلیم رہنا، ان دو مسئلوں کا تجزیہ کیا جائیگا کیوں کہ ان کا تعلق ہماری تحقیق سے ہے اور اس کے علاوہ دوسری بحثوں سے پرہیز کیا جائیگا۔

خانوادہ پر مرد کی ولایت اور سرپرستی: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گھر اور خاندان دوسرے سماجی شعبوں کی طرح ایک ایسا شعبہ ہے جسے ایک سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ خانوادہ کی رہنمائی کرے اور افراد خانہ کے درمیان نظم و ضبط قائم کرسکے۔ رسول خداؐ کے اس فرمان: "اگر تین لوگ ساتھ میں سفر کریں تو ان میں سے سب سے لائق اور شائستہ شخص کو اپنا سربراہ انتخاب کرنا چاہئے"[۱] کے مطابق اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ہر شعبہ میں ایک رہنما کا ہونا ضروری ہے چاہے اس میں تین افراد ہی ہوں۔ دوسری طرف سے "سربراہی کے لئے اصلح و اعلم کے انتخاب" کا عقلی اصول بھی اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ گھر کی سربراہی کے لئے بھی ایک اصلح اور شائستہ فرد ہونی چاہئے۔ چنانچہ اعضائے خانودہ میں اتحاد کے قیام، انہیں بکھرنے سے بچانا، خانوادگی مصلحتوں کی حفاظت کے لئے سورہ نساء آیت ۳۴[۲] میں مرد کو گھر کے سربراہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور فقہ میں اسے "حق اطاعت" کہا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ سربراہی کا حق مرد کو دیا جانا، بظاہر اسلامی تعلیمات کے خلاف نظر آتا ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے آیت میں آنے والے لفظ "قوامون" کی وضاحت ضروری ہے۔

"قوام"، قیام یعنی نگرانی، نظارت اور کفالت کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ لسان العرب میں، مذکورہ آیت کی نسبت، قیام کے یہی معنی بیان ہوئے ہیں[۳]۔ یا "ولایت اور تسلط" کے معنی میں ہے۔ ظاہر سی بات ہے دونوں ترجموں کے نتیجے مختلف ہونگے۔ نگرانی اور حفاظت والے معنی کے لحاظ سے مرد صرف گھر کا خادم ہوگا، جب کہ ولایت اور سرپرستی والے معنی کے لحاظ سے عورت کا چھوٹا اور حقیر ہونا سمجھ میں آئے گا کہ فیصلے صرف مرد لیگا اور وہی ولی اور صاحب عقل و فہم ہے۔

۱۔ متقی ہندی، ۱۴۰۹ھ: ۱۷۵۴۸-۱۷۵۵۲

۲۔ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ۔ ترجمہ: مرد عورتوں کے محافظ و منتظم (حاکم) ہیں (ایک) اس لئے کہ اللہ نے بعض (مردوں) کو بعض (عورتوں) پر فضیلت دی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ مرد (عورتوں پر) اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں۔

۳۔ ابن منظور، ۱۹۸۸: ج ۱۱، مادہ قوم: ۳۵۵

آیت شمس الدین نے قوام کے پہلے معنی کو لیا ہے۔ ان کے مطابق لفظ قیام کبھی اصلاح اور حفاظت کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے[۱]۔ اس کے مقابلہ میں علامہ طباطبائی جیسے مفسرین نے قوام کو ولایت اور سرپرستی کے معنی میں لیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"قوام، قیام سے لیا گیا ہے جس کے معنی معاش کا انتظام کرنا ہے، اور اس سے مراد مرد کی فضیلت اور اس کا عقل و فکر کے اعتبار سے زیادہ ہونا ہے؛ کیونکہ انسان کی زندگی تعقل اور فکر پر مبنی ہوتی ہے اور عورت کی احساسات اور جذبات پر؛ مال کو کسی جذباتی شخص کے اختیار میں دینے کے بجائے ایک عاقل اور مدبر کے اختیار میں دینا مصلحت سے زیادہ نزدیک ہے"[۲]۔

لفظ قیم اس شخص کے معنی میں ہے جو کسی دوسرے شخص کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اور لفظ قوام بھی اسی قیام کا مبالغہ ہے[۳]۔ اجمالی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ قوام، قیومیت کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ قیومیت مجور (یعنی جس کا کوئی اختیار ہی نہ ہو) کے مقابلہ میں آتا ہے؛ جبکہ عورت مجبور نہیں ہے جسے اس کے امور کے فیصلوں سے ہی روک دیا گیا ہو؛ تو قوام سے مراد امور خانوادہ کے سلسلہ میں ایک قسم کی سرپرستی ہے اور یہاں فضل سے مراد بھی سخت اور زحمت والے کاموں کو انجام دینے میں مرد کی طاقت و تحمل کا زیادہ ہونا ہے نہ کہ عقل و فکر و کا زیادہ ہونا۔ تو اس بات پر توجہ ہونی چاہئے کہ اگرچہ اسلام کی نگاہ میں مرد گھر اور عورت پر ایک قسم کی سرپرستی اور ولایت رکھتا ہے لیکن اس کے کچھ خاص شرائط اور حدود ہیں اور ان حدود سے تجاوز کرنے اور نقصاندہ ثابت ہونے کی صورت میں اس کی یہ ولایت ختم ہو جاتی ہے۔

یہ سرپرستی اور ولایت، ویسی ہی ہے جیسی ایک حاکم کی ہوتی ہے کہ اس کی سرپرستی اس وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے حکومت کرتا ہے[۴]۔ تو گھر اور عورت پر مرد کی سرپرستی اور تسلط اس طرح نہیں ہے کہ عورت خاموشی سے صرف اس کی اطاعت کرے بلکہ یہ سرپرستی اس لئے ہے کہ وہ صحیح پروگرام کے تحت گھر چلائے۔ اب اگر مرد حضرات اس ذمہ داری کو سمجھ جائیں اور گھر کے کاموں کو آپسی صلاح و مشورے کے ساتھ انجام دیں تو نہ صرف گھریلوں مشکلات سے دچار نہ ہونگے بلکہ وہ گھر چلانے میں کامیابی اور افراد خانوادہ کے درمیان محبت اور ہمدلی کا بھی مشاہدہ کریں گے[۵]۔ ڈاکٹر کاتوزیان کا اس سلسلہ میں خیال ہے کہ:

۱۔ شمس الدین، ۱۳۷۶: ۶۴
۲۔ طباطبائی، ۱۴۱۷، ج ۴: ۳۴۳
۳۔ موسوی، ہمدانی، ۱۳۷۴، ج ۴: ۵۳۴
۴۔ مدرسی، ۱۳۸۰: ۱۹
۵۔ حیدری، ۱۳۸۶: ۲۹۶

"قانون بنانے والے کا مقصد مرد کو عورت پر برتری دینا نہیں تھا کہ وہ اس طرح اپنی خواہشوں کو پورا کرتا رہے؛ بلکہ مرد گھر کا سرپرست ہوتا ہے تاکہ وہ ذمہ داریوں کو بہتر طور پر انجام دے اور عورت اس کی معاون اور ہم کار ہوتی ہے۔ نہ مطلق طور پر اس کے تحت تسلط"[1]۔

عورت پر شوہر کی اطاعت: روایات اگرچہ ذاتی طور پر عورت کے شوہر کی اطاعت پر دلالت کرتی ہیں لیکن دو دلیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا شوہر کی اطاعت کرنا مطلق طور پر واجب نہیں ہے:

۱) اگرچہ فقہا کی نگاہ میں اخلاقی لحاظ سے عورت کا تمام امور میں شوہر کی اطاعت کرنا اچھی بات ہے بلکہ اس کے فائدہ میں ہے لیکن اس کے باوجود فقہاء نے صرف دو جگہ یعنی جنسی امور میں تمکین اور گھر سے باہر نکلنے کے سلسلہ میں اس اطاعت کے وجوب کا حکم دیا ہے۔[2]

۲) سیرت متشرعہ: بعض فقہا نے دیندار خواتین کے سلسلہ میں سیرہ متشرعہ سے استناد کرتے ہوئے کہا ہے کہ صدر اسلام سے اب تک ان خواتین نے ان دو امور کے علاوہ کسی دوسرے امر میں خود کو شوہر کا مطیع اور فرمانبردار نہیں جانا ہے۔ جس سے نتیجہ لیا ہے کہ عورت پر مطلق طور پر شوہر کی اطاعت واجب نہیں ہے[3] لہٰذا روایت کے مطابق عورت پر صرف جنسی امور اور گھر سے باہر نکلنے کے سلسلہ میں شوہر کی اطاعت واجب ہے اور مطلق طور پر اس کی اطاعت کو مستحب ہونے پر حمل کیا جاتا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام شوہر کے مقام کو انہیں مسلم حقوق کے دائرے میں دیکھتا ہے جو اس کی نسبت عورت پر عائد ہوتے ہیں یعنی جنسی امور اور عورت کے گھر سے نکلنے پر اس کی نظارت؛ اس دائرے سے زیادہ کوئی اور پابندی عورت پر عائد نہیں ہوتی ہے[4]۔ اس کے علاوہ گھر سے باہر نکلنے میں شوہر کی اطاعت کو بھی عورت کے لئے کسی قسم کی پابندی اور قید نہیں مانا جاسکتا ہے کیونکہ مرد صرف دو موارد میں عورت کو گھر سے باہر نکلنے سے روک سکتا ہے۔

۱) جب عورت کا گھر سے باہر نکلنا مرد کی حق تلفی کا باعث بنے۔

۲) عورت کا گھر سے باہر نکلنا فتنہ اور خود عورت یا دوسروں کے لئے انحراف اور گمراہی کا سبب بنے۔

۱۔ کاتوزیان، ۱۳۷۵: ۱۶۵-۱۶۶

۲۔ امام خمینیؒ، ۱۳۷۹، ج ۱ و ۲: ۷۴۵

۳۔ خوانساری، ۱۴۰۵، ج ۴: ۴۳۵

۴۔ بستان، ۱۳۸۸: ۷۵-۷۶

وہ عورتیں جو گھر کے باہر اپنی حرمت کی رعایت نہیں کرتیں اور شوہر کی ضرورت کے وقت وہ گھر سے باہر ہوتی ہیں روایات میں انہیں "ولاجہ" سے تعبیر کیا گیا ہے[۱]۔ چنانچہ جب شوہر گھر میں نہ ہو اور عملی طور پر جنسی امور میں عورت سے بہرہ مند ہونا ممکن نہ ہو تو مرد اسے گھر سے باہر جانے سے روک نہیں سکتا ہے یا اگر عورت صلہ رحم یا مباح اور جائز کام کے لئے گھر سے باہر جائے اور اس کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو تو بھی مرد اسے باہر جانے سے روکنے کا حق نہیں رکھتا ہے مگر یہ کہ عورت کا گھر سے نکلنا فتنہ کا سبب ہو یا ایسی بات کا سبب بنے جو مصلحت اور عورت کی نسوانی حیثیت کے منافی ہو۔

دوران عقد شرط لگانا بھی ایک راستہ ہے جس کے ذریعہ عورت اطاعت کے دائرے کو محدود کرسکتی ہے۔ جس طرح جناب امیر المؤمنینؑ نے عبداللہ ابن جعفر کے ساتھ اپنی بیٹی کے عقد کے وقت شرط لگائی تھی کہ انہیں امام حسینؑ کے ساتھ سفر پر جانے سے نہیں روکیں گے[۲] اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ عورت کا شوہر کی اطاعت کے دائرہ کو مقید کرنا شوہر کے حکم اور حکم خدا کے مخالف نہیں ہے بلکہ روایات سے اخذ شدہ فقہ کے ایک مسلم قاعدہ "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"[۳] کے مطابق ہے جس میں بغیر نقصان اور حرج کے اطاعت کے دائرے کو تنگ کیا گیا ہے۔

۳) ٹکراؤ اور اس کا حل

اس سے پہلے گفتگو ہوئی ہے کہ عورت کو معاشرے کے ایک فعال اور سرگرم رکن ہونے کے عنوان سے تعلیم و تربیت، سیاسی فعالیت، اسپورٹس اور آرٹ جیسے مختلف میدانوں میں شرکت کرنی چاہئے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوا کہ دین اسلام کی تعلیمات سماج میں خواتین کے مقام اور ان کے کردار کی تاکید کرتی ہے۔ نیز اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ خواتین کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کی حفاظت اور ان کا احیا کیا جائے اور سماجی امور میں ان کی شرکت کو ترویج دیکر سماجی امور کے سلسلہ میں ان میں پائی جانے والی صلاحتیوں کو شگوفا کیا جائے۔ ساتھ ہی اسلام سماجی مسائل کے سلسلہ میں لاپرواہی اور اس سے کنارکشی کی مذمت کرتا ہے۔

اسی طرح مستقبل میں اور ظہور امام زمانہؑ کے دوران بھی خواتین اپنا سماجی کردار ادا کرینگی اور اس عظیم انقلاب میں شرکت کرتے ہوئے اس کے اہم مناصب پر ہونگی[۴]۔ امام باقرؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

۱۔ حسینی خوانساری، ۱۴۰۸، ج ۱۴: ۱۶۶
۲۔ قطیفی، ۱۴۱۲: ۴۳۳۳-۴۴۴۴
۳۔ حر عاملی، ۱۴۰۹، ج ۱۵۷: ۱۱
۴۔ حکیمی، ۱۳۸۳: ۳۹

"وہ آئیں گے اور ان کے ساتھ تین سو سے کچھ زیادہ افراد ہونگے جن میں سے پچاس خواتین ہونگی۔"[۱]

عورت کی سماجی سرگرمیاں جیسے باہر جاکر کام کرنے وغیرہ کا لازمہ یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر جائیگی اور ایک اچھا خاصہ وقت گھر کے باہر گزارے گی جس کے نتیجہ میں یہ عمل مرد کے حقوق میں کوتاہی بلکہ اس کے حق میں نقصان کا سبب بھی بن سکتا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت کو مرد کے لئے ہر ممکنہ صورت میں آمادہ رہنا چاہئے[۲]۔ تو پہلے مرحلہ میں تو عورت کے گھر سے باہر رہ کر کام کرنے میں مرد کے حقوق کے ساتھ ٹکراؤ نظر آتا ہے اور ممکن ہے اس کے حق میں مادی اور روحانی دونوں قسم کا ضرر بھی ہو۔ اس کے علاوہ عورت کا باہر رہنا گھر کے دوسرے افراد کے لئے بھی نقصاندہ ثابت ہو سکتا ہے جیسے گھر سے باہر رہ کر کام کرنے کی صورت میں وہ اپنا مادری کردار ادا نہیں کر پائیگی، بہتر طور سے بچوں کی تربیت اور گھریلوں امور کی دیکھ بھال نہیں ہو سکے گی وغیرہ۔

کیونکہ آج بھی کھانا تیار کرنا، بچوں کی تعلیم، گھر کے سامان وغیرہ خریدنا جیسے گھریلوں امور عورت ہی کی اصلی ذمہ داریاں ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی فعالیت خانوادہ اور مرد کی مصلحتوں سے بھی ٹکراؤ پیدا کر سکتی ہیں۔

اس قسم کے نقصانات اور ضرر جو مرد اور خانوادہ پر وارد ہوتے ہیں وہ "لاضرر" کے فقہی اور حقوقی قائدے کے مطابق جائز نہیں ہیں۔ اس بنیاد پر مرد اپنی سرپرستی اور ولایت کے اس حق کے ذریعہ جو ایک طرح سے اسے عورت پر فوقیت دیتا ہے اور جس کی بنیاد پر گھر کی ضروریات اور معاش کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، عورت کو باہر جاکر سماجی امور میں فعالیت کرنے سے روک سکتا ہے یا کم سے کم اس کی سماجی فعالیت پر نظر رکھ سکتا ہے۔

لیکن جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ دینی احکام کو اس مجموعہ احکام کے کسی جزئی حکم کی بنیاد پر ختم یا اس کا تجزیہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عورت کی طرف سے شرعی فرائض کی رعایت کے ساتھ سماجی فعالیت کے اختیار اور حق کو سلب کرنا نہ صرف اس کی انسانی عظمت اور شان کے خلاف ہے بلکہ براہ راست یا بالوسطہ اس کو اور معاشرہ کو نقصان پہونچانا بھی ہے اور ایک طرح سے انفرادی مصلحت کو سماجی مصلحت پر ترجیح دینے کے مترادف ہے؛ کیونکہ صرف مرد کے جنسی حق کے نام پر معاشرے کو خواتین کی ان اہم خدمات سے محروم رکھنا

۱۔ عیاشی، ۱۳۸۰، ج۱: ۶۵
۲۔ شہید ثانی، ۱۴۱۶، ج ۸: ۴۳۹

جو وہ معیشتی، ثقافتی، سیاسی، سماجی اور تعلیم وتربیت جیسے مختلف میدانوں میں انجام دیتی ہیں، نہ صرف عقل سلیم سے دور اور کج فکری کی علامت ہے بلکہ اس سے عورت کو صرف ایک آلہ کار تصور کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عورت کے سماجی فعالیت انجام دینے سے دو قسم کے متضاد نقصانات وجود میں آتے ہیں جن میں زن و شوہر دونوں کے حقوق کو خطرہ ہو سکتا ہے یعنی ایک نقصان وہ ہے جو عورت کی سماجی فعالیت کی وجہ سے شوہر اور خانوادہ کے حقوق کو ہوتا ہے اور دوسرا جو مرد کی طرف سے عورت کی سماجی فعالیت سے روکے جانے کی صورت میں عورت کو ہوتا ہے بلکہ معاشرہ کو بھی اس کا نقصان ہوتا ہے۔

بہر حال مکلفین کو نقصان پہوچانا، چاہے وہ شریعت کے حوالہ سے ہو یا لوگوں کی طرف سے ہو، جائز نہیں ہے۔ اس کا لازمہ یہ ہے کہ اس قسم کے ٹکراؤ اور احتمالی نقصان کے مسئلہ کو حل کیا جائے اور یہ عمل گھریلو امور کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے۔

پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ سورہ طلاق آیت ۶، بقرہ آیت ۲۳۳ اور بقرہ ۲۳۱، جیسی متعدد قرآنی آیات اور اسی طرح "لاضرر" کے فقہی قاعدہ کی رو سے سماجی، خانوادگی اور فردی مسائل میں عورت کو کسی بھی طرح کا نقصان پہوچانا جائز نہیں ہے۔

شیعہ فقہ میں متعدد مقامات پر فقہا نے قاعدہ لاضرر سے استناد کرکے بہت سے متضاد مسائل کو حل کیا ہے جیسے اگر شوہر غایب ہو جائے، یا عورت کو نفقہ دینے سے منع کرے تو حاکم شرع "الحکم ولی الممتنع" کی رو سے اس کو طلاق دے سکتا ہے، اگر کسی دیوانہ کو شادی کی ضرورت ہو اور ولی انکار کرے تو ولی کی ولایت ساقط ہو سکتی ہے۔ عورت کو اگر معلوم ہو کہ اس کا شوہر اس کی ضروریات اور نان ونفقہ پورا نہیں کر سکتا تو وہ نکاح کو فسخ کر سکتی ہے اور ایسے بہت سے امور۔[۱]

مالکی اور حنبلی کے قول کے مطابق ان کے دو میں سے ایک نظریہ کے مطابق، ضرر کی وجہ سے طلاق جائز ہے؛ لہٰذا اگر مرد عورت کی نسبت کوئی ایسا کام کرے جس سے قصاص واجب ہو جائے یا عورت کو مرد کی شرارت کی وجہ سے قصاص کا خوف ہو تو حکم طلاق عورت کے حق میں جاری ہوگا اور اس حکم کے لئے ضرر کا بار بار وارد ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ ایک بار ضرر کی صورت میں ہی حکم طلاق صادر ہو جائیگا۔[۲]

تو قاعدہ لاضرر کے تحت، مرد وزن میں سے کوئی بھی، ایک دوسرے کی نسبت شادی اور زوجیت کی وجہ سے وجود میں آنے والے حقوق سے چشم پوشی نہیں کر سکتے ہیں۔ اور اپنے حقوق کو ضرر پہونچانے کا ذریعہ

۱۔ سارہ محمد، ۲۰۰۲: ۳۳۳-۳۳۴ ۲۔ ایضاً، ۳۳۳-۳۳۴

قرار نہیں دے سکتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں حقوق، شریعت اور عرف دونوں ہی لحاظ سے ضروری مقاصد، سماجی زندگی کی سختیوں کو دور کرنے اور زندگی کو مکمل اور بے نیاز بنانے کے خاطر ہوتے ہیں۔ تو اب اگر کوئی حق یا اس کے حصول کا طریقہ اعلیٰ مقاصد کے منافی ہو، تو قاعدتاً ایسے حق کو محترم شمار نہیں کیا جائیگا؛ کیونکہ یہ عمل غلط استعمال کا ذریعہ بن جائیگا[1]۔

لیکن جن موارد میں دو ضرروں کے درمیان تعارض اور تضاد کی صورت پائی جاتی ہو وہاں فقہا نے جس قاعدہ کو استعمال کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر دو ضرروں کے درمیان شدت اور ضعف پایا جاتا ہو تو اس میں سے جس کا ضرر کم ہوگا اس کو اختیار کیا جائیگا جسے اصطلاح میں "اقل الضررین" کہتے ہیں؛ اور جن مقامات پر ضرر مساوی ہوتے ہیں وہاں فقہا دوسرے عام قاعدوں کو استعمال کرتے ہیں اور اگر ان موارد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں ہوتا تو پھر قرعہ کا استعمال کرتے ہیں[2]۔

ضرر اور نقصان کا پیمانہ فقہا کی نگاہ میں عرف عام ہوتی ہے اور اس کی کمی اور زیادتی افراد کی حالت سے معین ہوتی ہے۔ چنانچہ عرف کی نگاہ میں اگر شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے مرد اور خانوادہ پر عورت کی سماجی سرگرمیوں کا نقصان و ضرر، سماجی سرگرمی انجام نہ دینے کے مقابلہ میں کم اور قابل چشم پوشی ہو تو ایسی صورت میں عورت پر مرد کی فوقیت و سرپرستی اور اس کی اطاعت کا لازمی ہونا، عورت کو مفید اور تعمیری سماجی فعالیت سے روکنے کا جواز نہیں ہو سکتا ہے لیکن جن موارد میں عرف کی مطابق مرد اور خانوادہ پر وارد ہونے والا ضرر اور نقصان شدید ہوگا وہاں "قاعدہ لا ضرر" مرد اور خانوادہ کے حق میں جاری ہوگا؛ لیکن یہاں اہم بات یہ ہے کہ کوئی بھی قانون یا شرعی حکم کسی نئے مسئلہ کے لئے اسی صورت میں حل واقع ہو سکتے ہیں جب وہ زمانہ اور جگہ کے تقاضوں کے مطابق ہوں۔

عورت کے لئے مطلق طور پر شوہر کی اطاعت کا حکم اس معاشرے کے لئے تھا جو عورت کے کسی وجود کا قائل نہیں تھا اور عورت خود کو مکمل طور پر اپنے شوہر سے وابستہ دیکھتی تھی؛ لیکن آج جب خواتین کی حال مکمل طور پر تبدیل ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں اس قسم کے حکم کو معاشرے کے مطابق اور خانوادگی مسائل و مشکلات کے حل کے طور پر نہیں جانا جاسکتا ہے؛ کیونکہ آج کے دور میں بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ مل جل معیشتی فعالیتیں انجام دیتی ہیں اور عملی طور پر گھر کے خرچوں کو پورا کرنے میں ساتھ دیتی ہیں۔

۱۔ توجہی، ۱۳۸۹: ۲۴۶ ۲۔ انصاری، ۱۴۱۰ا، ج ۳: ۲۸۳

موجودہ دور کے بعض علماء معاشرہ کی مصلحتوں اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر یہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کا گھر سے باہر جانا اور ایسا عمل انجام دینا جس کا تعلق خود ان سے ہے، اگر انکی شان اور شوہر کے حقوق کے منافی نہ ہو تو گھر سے باہر جانے میں مرد کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر ملک سے باہر کا سفر کرے اور شوہر کے حق کی نسبت کوئی مشکل نہ ہو تو شوہر اسے روک نہیں سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر شوہر بھی سفر پر جانا چاہے اور اس کا یہ سفر مشترک زندگی اور بیوی کے حق کے منافی ہو تو اسے اس سفر کے لئے بیوی کی اجازت لینی چاہئے۔

ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت اور حفاظت کے پیش نظر جہاں تک عورت پر ضروری ہے اسے مرد کی اجازت لینی چاہئے اور مرد پر بھی واجب ہے کہ اجازت لے۔ دینی تعلیم، شرعی اور اعتقادی احکام جیسے بعض ایسے علوم جن کا علم حاصل کرنا ضروری ہے ان کے لئے بھی شوہر کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔ کتاب "المراۃ فی فکر الاسلامی" میں آیا ہے:

> "اصول تمکین یعنی عورت کا مرد کی جنسی ضرورت کے لئے آمادہ رہنا، اور اصول نشوز، یعنی عورت کا مرد کی نافرمانی کرنا دو ایسے مسلم اصول ہیں جن کو قاعدہ لاضرر کے ساتھ پرکھنا ضروری ہے تاکہ مرد کے حقوق، عورت کے لئے ضرر کا باعث نہ بنیں؛ کیونکہ قاعدہ لاضرر کا مقصد ہر قسم کے انفرادی اور اجتماعی ضرر سے روکنا ہے اور یہ ہر قسم کے ضرر کو شامل ہوتا ہے منجملہ عورت پر وارد ہونے والا ضرر"[۱]۔

نتیجہ اور حل

سماجی فعالیت خواتین کی سرگرمی کے لئے سب سے اہم میدان ہے جہاں ان کی صلاحیتیں ترقی اور نکھار پا سکتی ہیں اور اسلامی تعلیمات میں اس بات پر ہمیشہ سے تاکید رہی ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سماجی فعالیت اور شوہر کے حقوق کے درمیان ٹکراؤ اور تصادم پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض مقامات پر عورت کا گھر کے باہر کام کرنا اور سماجی امور میں سرگرم ہونا گھریلو مصلحتوں اور عورت کی شان کے منافی قرار پاتا ہے جو شوہر اور دیگر اعضائے خانوادہ کے لئے ضرر و نقصان کا سبب بنتا ہے۔

دوسری طرف سے بیوی پر مطلق طور پر شوہر کی اطاعت کا واجب ہونا روایات کے خلاف ہے؛ کیونکہ ان

۱۔ مجموعۃ من الباحثین، ۱۴۲۳: ۲۲۵

روایات میں اطاعت کے حکم کو استحباب پر حمل کیا گیا ہے اور اس میں مرد کو اس کے مسلم حقوق کے دائرے میں رہتے ہوئے گھر کا سرپرست قرار دیا گیا ہے جہاں گھر سے باہر نکلنے اور جنسی امور میں بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ صرف اس بہانے سے کہ گھر سے باہر نکلنے میں عورت پر مرد کی اطاعت واجب ہے جبکہ عورت کی سماجی فعالیت کے باوجود مرد کو اس کے حقوق حاصل ہو رہے ہوں، عورت کو خانہ نشین کر کے اسے سماجی فعالیت سے محروم کر دینا نہ صرف عورت کے حق میں ضرر اور نقصان کا سبب ہے بلکہ معاشرے کو بھی اس کی خدمات سے محروم کرنے اور انفرادی مصلحت کو معاشرے کی مصلحت پر ترجیح دینے کا سبب ہوگا؛ بلکہ یہ امر شریعت کے ان اعلیٰ مقاصد کے بھی منافی ہے جہاں افراد معاشرہ اپنی شرکت اور تعاون کے ذریعہ ایک بہترین سماج تشکیل دیتے ہوئے اور اپنی قسمت خود رقم کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ حکم موجودہ دور کے تقاضوں کو بھی پورا نہیں کرتا جہاں خواتین مختلف میدانوں میں سرگرم ہیں اور معاشرہ کو مختلف شعبوں میں ان کی ضرورت ہے لہٰذا عورت اور معاشرے کے مفاد، جب تک خانوادہ کے لئے نقصاندہ نہ ہوں اس وقت تک مرد کو عورت کی سماجی فعالیت کو تحمل کرنا معقول بات ہوگی؛ اگرچہ قوانین اور اصول انسان کے لئے ضرر رساں نہیں ہونے چاہئے لیکن چونکہ انسان کو سماجی اور اجتماعی زندگی کی ضرورت ہے اور اجتماعی زندگی کی بقا کے لئے انسان کو اپنے کچھ مفادات سے سمجھوتہ کرنا ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں بڑے نقصانات سے بچنے کے لئے چھوٹے ضرر اور نقصانات کو برداشت کرنا نقصان شمار نہیں ہوتا؛ جس طرح فرائض اور واجبات انجام دینا، اگرچہ انسان پر بھاری ہوتے ہیں لیکن یہ چیزیں انسان کے تکامل اور ترقی کے لئے ہوتی ہیں۔

توخلاصہ کے طور پر کہا جاسکتا ہے:

مسلمانوں کے سماجی امور کے اہتمام کے لئے معاشرے میں مرد و زن کا مساوی طور پر فعالیت کرنا ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ہمیشہ سے اس پر تاکید رہی ہے بلکہ اس کو فرض جانا گیا ہے۔ اس کو ترک کرنے کا گناہ ویسا ہی جیسا دین سے خارج ہونے کا ہے۔

عورت کا سماجی فعالیت انجام دینا اس کا ناقابل انکار حق ہے اور اس کے لئے جائز ہے جس کا لازمہ یہ ہے کہ اسلام کی نگاہ میں مرد و زن مساوی ہیں۔ عورت کا گھر سے باہر جاکر کام کرنا اگر شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو اور مرد کے حقوق سے نہ ٹکرائے تو جائز ہے۔

عورت کی سماجی فعالیت اور مرد اور خاندان کے حقوق میں ٹکراؤ کی صورت میں دیکھا جائیگا کہ زیادہ نقصان اور ضرر کس پر وارد ہورہا ہے۔ عورت اور معاشرے پر یا مرد اور خانوادہ پر؟ ان میں سے جس ضرر اور نقصان کی شدت کم ہوگی اس کو انتخاب کیا جائیگا لیکن اگر عرف کے مطابق دونوں کا ضرر مساوی ہو تو ایس صورت میں فقہا عام قاعدوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قاعدے نہ ہونے کی صورت میں اس کا حل قرعہ کے ذریعہ نکالا جاتا ہے۔

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- آیت اللہی، زہرا، زن، دین، سیاست، سفیر صبح، تہران، ۱۳۸۰
- ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸
- احسائی، ابن جمہور، عوالی اللئالی، انتشارات سید الشہدا، قم، ۱۴۰۵
- امام خمینی، سید روح اللہ، صحیفہ امام (دورہ ۲۲ جلدی)، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، تہران، ۱۳۸۵
- امام خمینی، سید روح اللہ، تحریر الوسیلہ، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، تہران، ۱۳۷۹
- انصاری مرتضٰی، مکاسب، مؤسسہ النعمان، بیروت، ۱۴۱۰
- بستان (نجفی)، حسین، لزوم جرم انگاری نشوز زوج، مجلّہ مطالعات راہبر دی زنان، شمارہ ۴۸، ۱۳۸۹
- حر عاملی، محمد بن حسین، وسائل الشیعہ، مؤسسہ آل البیت، قم، ۱۴۰۹
- حسینی خوانساری، احمد، مستدرک الوسائل، مؤسسہ آل البیت، قم، ۱۴۰۸
- حکیمی، محمد، دفاع از حقوق زن، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۸۳
- حیدری احمد خانوادہ، عشق، استواری، انتشارات پرتو خورشید، قم، ۱۳۸۶
- خوانساری، سید احمد، جامع المدارک فی شرح مختصر النافع، مکتبۃ الصدوق، تہران، ۱۴۰۸
- زعفرانچی، لیلا سادات، اشتغال زنان، مرکز امور زنان و خانوادہ نہاد ریاست جمہوری، تہران، ۱۳۸۸
- سمارہ، محمد، احکام وآثار الزوجۃ، دار العلمیہ الدولیۃ للنشر والتوزیع، عمان، ۱۳۷۶
- شہید ثانی، زین الدین بن علی مکی عاملی، مسالک الافہام الی تنقیح شرائع الاسلام، مؤسسہ المعارف الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۶
- شیخ طوسی، محمد بن حسن تہذیب الاحکام، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵
- شیخ مفید، محمد بن محمد، احکام النساء، کنگرہ شیخ مفید، قم، ۱۴۱۳
- طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، : دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ، قم، ۱۴۱۷
- عیاشی، ابی نصر محمد بن مسعود، تفسیر عیاشی، چاپ خانہ علمیہ، تہران، ۱۳۸۰
- فاضلی بیار جمندی، سید احمد، نقش زن شیعہ در عصر امام علیؑ، انتشارات میثم تمار، قم، ۱۳۸۱

❖ فنایی اشکوری، محمد، منزلت زن در اندیشہ اسلامی، مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۷
❖ قطیفی، فرج آل عمران، وفاۃ سیدۃ زینبؑ، مجموعہ وفیات الائمۃ، دار البلاغۃ، بیروت، ۱۴۱۲
❖ کاتوزیان، ناصر، دورہ مقدماتی حقوق مدنی (خانوادہ)، نشر یلدا، تہران، ۱۳۷۵
❖ کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵
❖ متقی ہندی، علی بن حسام الدین، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۹
❖ مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ، تبیان: جایگاہ زن در اندیشہ امام خمینی، دفتر ہشتم، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ، تہران، ۱۳۸۴
❖ مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الانوار، مؤسسۃ الوفاۃ، بیروت، ۱۴۰۴
❖ مجموعۃ الباحثین، المراۃ فی الفکر الاسلامی المعاصر، الغدیر للدراسات الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۲۳
❖ محمودی عباس علی، پژوہشی قرآنی، فیپی و حقوقی در بارہ مرد وزن، نشر مطہر، تہران، ۱۳۸۷
❖ مدرسی، سید محمد تقی، آزادی ومسوئیلت زن، ترجمہ حمید رجا آتزیر، محبان الحسین، تہران، ۱۳۸۰
❖ مطہری، مرتضیٰ، نظام حقوق زن در اسلام، صدرا، تہران، ۱۳۷۶
❖ منصور نژاد، محمد، مسئلہ زن، اسلام و فمنیسم، انتشارات زیتون، تہران، ۱۳۸۱
❖ موسوی بجنوردی، سید محمد، قواعد فقہیہ، انتشارات مجد، تہران، ۱۳۸۵
❖ موسوی ہمدانی، سید محمد باقر، ترجمہ تفسیر المیزان، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ، قم، ۱۳۸۴

عورت کے اسلامی حقوق سے متعلق کچھ اعتراضات اور ان کے جوابات

مولانا احمد رضا رضوی زرارہ

خلاصہ

اسلام ایک کامل و اکمل دین ہے۔ اس کے تمام قوانین و احکام عقلی اور منطقی ہیں، نہ افراط نہ تفریط۔ جس کو جو حق دیا وہ عین عدل کے مطابق دیا۔ آج دنیا عورتوں کے سلسلے میں مساوات کی بات کر رہی ہے جب کہ اسلام نے مساوات کے ساتھ ساتھ عدل کو محور بنایا تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہونے پائے۔ مساوات ایک اچھا عمل ہے مگر ہر جگہ مساوات سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ عورتوں کے سلسلے میں اسلام کہیں مساوات کا قائل ہوا ہے تو کہیں عدالت سے کام لیا ہے۔ جہاں جہاں اجر و ثواب اور جزائے اعمال کی بات کی ہے وہاں مرد و عورت کو مساوی درجہ دیا ہے۔ مگر جہاں حقوق کی بات کی ہے وہاں عدل کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ ہو سکے۔ اگر اسی نظام عدل کو دنیا قبول کرے تو اسلام پر ہونے والے سارے اعتراضات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ مگر اسلام دشمن عناصر مساوات کی بات تو کرتے ہیں مگر اسلام کے نظام عدل کی بات نہیں کرتے۔

کلیدی الفاظ: اسلام، مرد و خواتین، عدل و مساوات، حقوق

تمام ادیانِ عالم میں دین مبین اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اس کے تمام قوانین و ضوابط عقل سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ اسلام ایک منطقی اور استدلالی مذہب ہے جو فطرت بشر کے عین مطابق ہے۔ یوں تو ہر مذہب کا یہی دعویٰ ہے مگر جب عقل کی کسوٹی پر اسے تولا جاتا ہے تو اسلام کا اور دیگر ادیان کا فرق صاف ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ یہی سبب ہے کہ جو بھی تعصب کی عینک اتار کر اسلام کا مطالعہ کرتا ہے وہ اسلام کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ قبول کیا جانے والا مذہب اسلام ہے اور اس کی اہم ترین وجہ اسلام کے احکام و قوانین و ضوابط کا عین عقل کے مطابق ہونا ہے۔

عورتوں کے سلسلے میں بھی اسلام نے جو قوانین بنائے ہیں وہ ان کی صنف کے اعتبار سے عینِ عاقلانہ ہیں اور مرد و عورت کے درمیان جو فرق رکھا ہے اس کی بھی عقلی دلیل دی گئی ہے۔ البتہ بہت سے مقامات پر عورت اور مرد کو برابر رکھا ہے۔ مثلاً مسلمان مرد و عورت، مومن مرد و عورت......سب کے لئے اجر عظیم ہے۔[۱]

مرد و عورت میں سے جو بھی عمل صالح انجام دے گا تو وہ مومن ہے اور جزا جنت ہے۔[۲] اس قسم کی اور بھی آیات موجود ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ مرد و عورت میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ اسلام نے طاقت و قوت استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے دونوں میں فرق رکھا ہے۔ استعداد و صلاحیت وغیرہ میں عورت و مرد کا مساوی ہونا یہ ایک مغربی نظریہ ہے جس نے فیمنزم کا پرفریب نعرہ دے کر عورتوں کو صرف بیوقوف بنایا ہے۔ عورتوں کو اتنا مساوی ہونے کا سبق پڑھایا گیا کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہو گئیں اور مرد کی برابری کے لئے گھر سے باہر قدم نکال دیے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے اصلی فرض سے غافل ہو گئیں۔ آج اگر معاشرہ میں بے دینی، گمراہی، ہرج و مرج، فحاشی وغیرہ کا بازار گرم ہے تو اس کی اصل وجہ عورت اور مرد کا اپنے اپنے فرض پر عمل نہ کرنا ہے۔ اسلام نے اصلاح معاشرہ اور بناء معاشرہ کا جو اصول بنایا ہے وہ آج کی دنیا سے بالکل الگ ہے۔ اسلام نے دونوں کی الگ الگ ذمہ داری معین کی ہے اور دونوں ذمہ داری کسی بھی معاشرہ کے لئے کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔

خود یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بھی اب یہ آواز اٹھنے لگی ہے کہ مردوں نے ہم کو سبز باغ دکھا کر ہمارا استحصال کیا ہے۔ ایک امریکی نامہ نگار جو حقوق زن کی علمبردار بھی ہے وہ عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے تحریر کرتی ہے کہ ہم نے مردوں کی برابری کی دوڑ میں اپنا اہم ترین سرمایہ کھو دیا ہے اور وہ ہے ماں بننا، یعنی تربیت اولاد۔ خانوادہ کی تربیت، جس کا نتیجہ تربیت معاشرہ ہے۔

انگلینڈ کے حکومتی ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ ہمارے یہاں سب سے زیادہ جس مذہب کو قبول کیا جارہا ہے وہ اسلام ہے اور ان میں عورتیں زیادہ اسلام قبول کر رہی ہیں۔ ایک تازہ مسلمان خاتون نے بتایا کہ اسلام کے احکام اور عورتوں کے سلسلے میں اسلامی نظریات نے ہم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہے۔[۳]

آج ہمارے یہاں بھی مغربی تبلیغات کا اثر دکھائی دے رہا ہے اور ہندوستان میں بھی آئے دن حقوق نسواں کی باتیں ہوتی ہیں اور وہی پرفریب نعرے سامنے آتے ہیں جو مغربی دنیا میں لگائے جارہے ہیں اور عورتوں کو

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۳۵
۲۔ سورہ نحل، آیت ۹۷
۳۔ فصل نامہ تخصصی قرآن، شمارہ ۲۸، ۲۷ ص ۵۹

اکسایا جاتا ہے کہ وہ سوال کریں کہ ہمارے ساتھ یہ دوغلا سلوک کیوں کیا جارہا ہے اور عورتیں جذبات میں آکر اپنے فرائض اور ذمہ داری کو بھول کر گھر سے باہر نکل آتی ہیں۔آج سب سے زیادہ جس پر حملہ کیا جارہا ہے وہ اسلام ہے اور بتایا جارہا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو قیدی بنا کر رکھ دیا ہے۔ اسلام عورتوں کے حقوق کا قائل نہیں ہے وغیرہ۔

اس مقالے میں ان ہی اعتراضات اور سوالات کے جوابات اسلامی نظریہ کے مطابق دینے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ بتایا جاسکے کہ اسلام نے جتنی آزادی عورتوں کو دی ہے اور جتنی اہمیت عورتوں کو دی گئی ہے کسی مذہب نے نہیں دی۔ ہاں اسلام اس آزادی کا سخت مخالف ہے جو مغربی دنیا میں رائج ہے۔

(ا) کیوں اسلام مرد و عورت کے درمیان فرق کا قائل ہے؟

اسلام عورت اور مرد کے درمیان مکمل فرق کا قائل نہیں بلکہ بہت سے مقامات ایسے ہیں جنھیں اسلام نے مرد و عورت کے درمیان مشترک قرار دیا ہے ہاں بالکل مساوی کا بھی قائل نہیں اور دنیا کا کوئی انسان عورت اور مرد کو مکمل مساوی نہیں مانتا۔ ہاں کبھی کبھی کچھ غیر معقول، خلاف عقل آواز اٹھتی ہیں کہ عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے مگر اس دعوے کے منطقی نہ ہونے کی بناپر بہت جلد دب جاتی ہیں۔ اسلام نے بہت سے مقامات پر عورت اور مرد کو مساوی رتبہ دیا ہے۔ جبکہ حقوق زن کے علمبردار نعرے تو برابری کا لگاتے ہیں مگر جب میدان عمل میں آتے ہیں تو سب سے زیادہ وہی عورتوں کا استحصال کرتے ہیں۔

جس اعتبار سے اسلام نے مرد و عورت کو مساوی جانا ہے وہ ہیں:

(ا) **انسانی قدر و قیمت** :قرآن انسانی قدر و قیمت اور شخصیت کے اعتبار سے مرد و عورت کو مساوی درجہ دیتا ہے۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے"وَ لَقَد کَرَّمنَا بَنِی آدم"[۱]؛ ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی، عزت بخشی۔ قرآن نے بنی آدم استعمال کیا جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔

(۲) **تخلیق بشر** :"یا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَ اُنْثیٰ"[۲]؛ ہم نے اے بنی آدم تم کو مرد و زن کے ذریعہ خلق کیا۔ یہاں بھی قرآن نے دونوں کو برابری کا رتبہ دیا۔

۱۔ سورہ اسراء، آیت ۷۰ ۲۔ سورہ حجرات، آیت ۱۳

(۳) **صاحب کرامت** : "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰاكُمْ "[۱]؛ اللہ کے نزدیک صاحب عزت و کرامت وہی ہے جو صاحب تقویٰ ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ایک معیار بنایا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی خاتون تقویٰ کے میدان میں مرد سے آگے نکل جائے۔

(۴) **عمل صالح**: "وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔۔"[۲]؛ جو بھی اعمال صالحہ انجام دے مرد ہو یا عورت وہ مومن ہے۔ ہم اس کو حیات طیبہ سے نوازیں گے۔ اس کے علاوہ سورہ غافر، آیت ۴۰ اور سورہ نساء، آیت ۱۲۴ میں بھی اس قسم کی بات کی گئی ہے جہاں مرد و عورت کو مساوی رکھا گیا ہے۔

قرآن مجید نے عورت و مرد کے درمیان جو فرق بیان کیا ہے وہ دو صورت میں ہے:

(۱) خلقت کے اعتبار سے

(۲) شرعی تکالیف و حقوق کے اعتبار سے

(۱) **خلقت**: عورت اور مرد کے درمیان قرآن نے جو فرق رکھا ہے وہ جسمانی اعتبار سے ہے۔ البتہ دونوں ایک دوسرے کے لئے مکمل ہیں۔ مرد معمولاً عورتوں سے قوی اور مضبوط ہوتے ہیں جبکہ عورتوں کے یہاں لطافت و عطوفت کا مادّہ پایا جاتا ہے۔ روز اوّل سے مشکل اور سنگین کام مردوں کے ذمہ رکھے گئے ہیں جبکہ امور خانہ داری، تربیت اولاد اور دوسرے آسان کام عورتوں کے ذمہ کئے جاتے ہیں اور یہ امر اگرچہ ظاہراً آسان لگتے ہیں کہ اس میں جسمانی طاقت و قوت کا عمل دخل کم ہے مگر دوسرے اعتبار سے بہت سنگین ہیں۔ اس لئے کہ ایک خوشحال گھرانے کی تشکیل میں عورت ایک اہم عنصر ہے۔

تربیت اولاد بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی آغوش ہوتی ہے اور یہی بچہ یا بچے کسی بھی اچھے یا برے معاشرے کے لئے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ماں چاہے تو بچوں کو حر بنادے اور ماں ہی کی تربیت حرملہ بھی بنادیتی ہے۔ آج ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اولاد کی وہ تربیت جو اسلام نے چاہی ہے نہیں ہورہی ہے۔ اس کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ مغربی دنیا نے مرد و عورت کی برابری کا اتنا پروپیگنڈہ کیا کہ ہر عورت آج صرف اس فکر میں ہے کہ ہم مرد سے آگے نکل جائیں یا کم از کم مرد کے برابر آجائیں اور اس تگ و دو نے عورتوں کو گھر سے باہر نکالا جس کے نتیجہ میں امور خانہ داری اور تربیت اولاد سے غافل ہو گئیں۔

۱۔ سورہ حجرات، آیت ۱۳ ۲۔ سورہ نحل، آیت ۹۷

دوسری طرف روحانی اعتبار سے پست سے پست تر ہوتی گئیں۔ حیاء وعفت جو عورت کا اہم ترین سرمایہ تھا وہ جاتا رہا۔ حجاب جو حیاء کا پہلا زینہ تھا وہ اسے برا اور ترقی کی راہ میں حائل نظر آنے لگا۔ البتہ یہاں ایک غلط فہمی پیدا کی گئی اور اس کی اتنی تبلیغ کی گئی کہ مسلمان خواتین بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں اور وہ ہے امور خانہ داری یعنی گھر میں قید ہو کر رہنا، حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔

(۲) **شرعی تکالیف وحقوق:** خداوند تعالیٰ نے عورت اور مرد کو متفاوت خلق کیا ہے۔ لہٰذا ان کے حقوق اور شرعی تکالیف بھی متفاوت ہوں گی۔ مرد کو اگر گھر کے باہر کے امور دئے گئے ہیں تو عورتوں کو گھر کا مدیر اور مربی بنایا گیا ہے۔ اب جب کہ دونوں کی ذمہ داری الگ الگ ہیں تو حقوق بھی الگ الگ ہوں گے۔ جب ذمہ داری کی بات ہو گی تو یہاں مساوات نہیں بلکہ عدالت کو سامنے رکھا جائے گا اور عدالت کے جو معنیٰ کئے گئے ہیں۔ "وَضْعُ الشَّيءِ عَلیٰ مَحَلِّه"؛ ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنا، وہ تقاضہ کرتے ہیں کہ مرد وعورت کے حقوق برابر نہیں ہو سکتے چونکہ دونوں کی ذمہ داری الگ ہے۔

رسول خداؐ کا ارشاد گرامی ہے: "اَلرَّجُلُ سَيِّدُ اَهْلِهِ"؛ مرد اہل خانہ کا سید و سردار ہے۔ جبکہ "وَالْمَرأَةُ سَيِّدَةُ بَيْتِهَا"[۱] اور عورت گھر کی سید و سردار ہے۔ اس روایت پر اگر نظر کی جائے تو یہاں بھی اسلام نے مرد و عورت کو برابر کا حصّہ دیا ہے اگر مرد کو سید قرار دیا ہے تو عورتوں کو گھر کے داخلی امور میں سیدہ کا رتبہ دیا ہے لہٰذا مرد کو چاہئیے کہ وہ گھر کے داخلی امور میں عورتوں کو مشورہ تو دے مگر داخلی امور کے تنظیم واجراء کے لئے اس کی رائے مقدم رکھے۔

اب ہم یہاں یہ نتیجہ لے سکتے ہیں کہ عورت و مرد کے درمیان اسلام نے فرق قائم نہیں کیا ہے بلکہ خلقت کے اعتبار سے دونوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ جسے ہر عاقل اور منطقی انسان قبول کرتا ہے۔

(۲) عورتوں کی دیت مردوں کے مقابلے میں نصف کیوں ؟

اسلام دین عدالت اور مساوات ہے اور رسول خداؐ نے فرمایا ہے: "مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور دونوں کا خون مساوی ہے"۔[۲] پھر کیوں مرد کی دیت عورت سے زیادہ ہے ؟!

دوسری طرف یہ مسئلہ صدر اسلام اور زمانہ قدیم سے مربوط ہے۔ جب خواتین صرف امور خانہ داری میں مصروف رہتی تھیں۔ آج جبکہ خواتین مرد کے شانہ بہ شانہ چل رہی ہیں اور ہر میدان میں وہ چاہے سیاسی ہو،

۱۔ نہج الفصاحۃ، ص ۱۲ ۲۔ تفسیر نور الثقلین، ج ا، ص ۶۵۶

معاشی ہو یا تہذیبی امور ہوں، مردوں کے برابر کام کر رہی ہیں تو ان حالات میں ان کی دیت بھی مردوں کے برابر ہونی چاہئیے۔

اس کا جواب چند جہت سے دیا جا سکتا ہے۔ اولاً عدالت اور مساوات میں فرق ہے۔ عدالت یعنی ہر چیز کو اس کی جگہ پر قرار دیا جائے اور قیام عدالت ہی تمام انبیاء کا ہدف رہا ہے۔ یعنی جو جس چیز کا حقدار ہے اسے اس کا وہی حق دیا جائے، مگر مساوات میں ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ مساوات یہ ہے کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھا جائے اور مساوات ہر جگہ درست نہیں ہے۔[1]

لہٰذا مرد اور عورت کے درمیان اس مسئلہ میں عدالت سے کام لیا گیا ہے۔ عدالت یہ ہے کہ دونوں کو ان کی توان و شائستگی کے اعتبار سے حق دیا جائے گا۔ مرد و عورت تخلیقی اعتبار سے ایک دوسرے سے متفاوت ہیں اور دونوں کی ذمہ داری بھی الگ الگ ہے۔ اگرچہ اپنی اپنی جگہ پر دونوں کامل ہیں اور ایک دوسرے کے لئے مکمل مگر دونوں کی ذمہ داریاں الگ الگ ہیں۔ عورت پر نان و نفقہ واجب نہیں ہے جب کہ مرد پر اہل و عیال کا نان و نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ دیت انسان کا خون بہا نہیں ہے بلکہ یہ ایک قسم کی مالی سزا قاتل کو دی جارہی ہے۔ ایک انسان جو ایک گھر کی کفالت کر رہا ہے اگر اسے کوئی قتل کر دے تو اسلام نے اسی کا جبران کیا ہے تاکہ مرنے والے کے اہل و عیال مشکلات سے دوچار نہ ہوں۔ دوسری طرف خواتین پر چونکہ نان و نفقہ واجب نہیں کیا گیا لہٰذا ان کی دیت نصف رکھی گئی ہے کہ ان کے قتل سے اہل و عیال کی کفالت پر مالی اعتبار سے کم فرق پڑتا ہے۔ ہاں روحی اعتبار سے جو تکلیف پہنچی ہے اس کا کوئی جبران نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دیت کی کمی یا زیادتی سے عورت کی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

اب اگر کوئی کہے کہ بعض وقت عورت ہی گھر کے اقتصادی امور کو بھی چلا رہی ہے تو اس صورت میں دیت مرد کے برابر ہونی چاہئیے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احکام و قوانین اکثریت کو نظر میں رکھ کر بنایا جاتا ہے اور یہ ساری دنیا کے قانون بنانے والے تسلیم کرتے ہیں اور اہل و عیال کے اخراجات یعنی نان و نفقہ کو مرد کے ذمہ کیا گیا ہے عورت کے نہیں۔ دوسری طرف ہر قانون میں کچھ نہ کچھ استثناءات بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی مسئلہ دیت میں اگر قاضی چاہے تو ایسی عورتوں کی دیت کے لئے جو کہ اہل و عیال کے نفقہ کی ذمہ دار ہیں نصف دیت کے ساتھ بیت المال سے جبران مافات کا حکم دے سکتا ہے۔

۱۔ عدل الٰہی، گفتار پنجم؛ نہج البلاغہ، کلمات قصار، ص ۴۲۹

ثانیاً: یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ حکم صدر اسلام سے مختص ہے یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول خداؐ آخری رسول ہیں اور آپ کی شریعت آخری شریعت ہے لہٰذا جو بھی حکم رسول خداؐ لے کر آئے ہیں وہ قیامت تک کے لئے ہے۔ جیسا کہ امام صادقؑ کا قول ہے کہ حلال محمد قیامت تک حلال اور حرام محمد قیامت تک کے لئے حرام ہے۔[1]

ثالثاً: یہ بات بھی درست نہیں کہ صدر اسلام کی خواتین کا کام صرف امور خانہ داری تھا۔ نہیں، بلکہ بعض خواتین کا کردار بہت ہی برجستہ رہا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ صدر اسلام یا اس سے پہلے بھی خواتین میدان عمل میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتی تھیں جیسے جناب آسیہ، جناب مریم، جناب خدیجہ، حضرت زہرا، حضرت زینب سلام اللہ علیہن۔

رابعاً: اسلام نے عورتوں کو معاشی امور سے معاف رکھا ہے اور یہ ذمہ داری مردوں کے کاندھے پر ڈالی ہے۔ اس لئے کہ معاش کا مسئلہ سنگین ہے اور اسلام نے ایسے سنگین امور عورتوں پر نہیں ڈالے ہیں۔ ایک ذمہ دار مرد حصول مال کے لئے سخت سے سخت کام کر سکتا ہے اور کرتا ہے تاکہ اہل و عیال کو خوش رکھ سکے۔ آج دنیا میں جو حقوق نسواں کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں وہ بھی عورتوں کو وہ حق نہیں دیتے جو مردوں کو دیتے ہیں۔

اسلام نے تو عورتوں کا خاص خیال رکھا ہے لہٰذا وہ ایام جو عورتوں سے مخصوص ہیں جن میں انھیں ضعف و توانائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے نماز جیسی اہم عبادت سے ان کو معاف رکھا ہے اور عورتوں کو اقتصادی امور سے الگ رکھنے کے فلسفوں میں سے شاید ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ ان ایام میں یا حاملگی سے لے کر ولادت تک ان کو آرام کی ضرورت رہتی ہے لہٰذا کیا ان ایام میں گھر والے بھوکے رہیں چونکہ وہ ان ایام میں کام نہیں کر سکتیں اسی لئے شاید ان کے ذمہ نان و نفقہ نہیں رکھا گیا ہے۔

(۳) عورتوں کی میراث مردوں سے کم کیوں؟

آج کل اسلام کے خلاف اٹھنے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ کیوں عورتوں کی میراث مردوں کے مقابلے میں نصف ہے۔ کیا یہ عورتوں پر ظلم نہیں ہے۔

اولاً: اسلام کا یہ قانون کہ مرد کو عورتوں کے مقابلے میں دوگنا میراث ملے، ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی عورت اور مرد کی میراث برابر ہوتی ہے جیسے میت کے ماں باپ اور کبھی کبھی عورت کو تمام میراث ملتی ہے۔[2]

۱۔ بحارالانوار، ج ۸۹، ص ۱۴۸؛ بصائر الدرجات، ص ۱۴۸؛ اصول کافی، ج ۱، ص ۵۸

۲۔ تفصیل کے لئے مراجع کرام کے رسالہ عملیہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

ثانیاً: عورت کے تمام مخارج مرد پر واجب ہیں چاہے عورت کی آمدنی مرد سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

ثالثاً: آل و اولاد کی تمام مالی ذمہ داری مرد پر ہے عورت پر نہیں۔

رابعاً: اگر عورت مرد سے بچوں کو دودھ پلانے کی اجرت مانگے تو مرد پر واجب ہے کہ وہ ادا کرے۔

خامساً: مرد شادی کے وقت دوسرے تمام مخارج کے علاوہ مہر بھی ادا کرتا ہے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو مرد زیادہ تر خرچ کرنے والا ہوتا ہے اور عورت پر خرچ کیا جاتا ہے، اسی لئے اسلام نے عورتوں کو میراث میں نصف حصّہ دیا ہے اور یہی عین عدالت ہے اگر یہاں مساوی والا مسئلہ ہوتا تو یہ مرد کے ساتھ ظلم ہوتا۔

امام صادقؑ سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ چونکہ مخارج زندگی، جہاد، مہر اور دوسرے مخارج مرد پر واجب ہیں عورتوں پر نہیں۔[۱]

امام رضاؑ سے جب عورت کی نصف میراث کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا چونکہ مرد پر گھر کے تمام مخارج واجب ہیں لہٰذا مرد کا حصّہ زیادہ ہے۔ پھر آپ نے سورہ نساء کی آیت ۳۴ کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔[۲]

(۴) دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے کیوں ؟

یورپ کے ایک مجلے میں عورتوں کے سلسلے میں ایک سوال کیا گیا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے یا بعض اوقات بالکل عورتوں کی گواہی کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی قدر و قیمت، مردوں کے مقابلے میں نصف ہے۔

اولاً: اسلام میں گواہ کی جو شرط بیان کی گئی ہے ان میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ عقل، ایمان، عدل، بلوغ۔ اگر ان شرائط پر کوئی مرد پورا نہیں اترتا تو اس کی بھی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

ثانیاً: جس طرح بعض اوقات عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں اس طرح بعض اوقات مردوں کی بھی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔[۳]

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۵، باب الارث

۲۔ علل الشرایع، ج ۲، ص ۳۹۳؛ عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۹۸ ، ؛ سائل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۲۳۷، ج ۱۷، ص ۴۳۳؛ بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۱۵

۳۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۸ و ۲۶ و ۱۶؛ علل الشرائع، ج ۲، ص ۲۷۹

ثالثاً: جن موارد میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہے وہ ہیں محارب، لواط وغیرہ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً ایسے مقامات پر عورتوں کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی عفت وحیاء اس کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ ایسے امور کے لئے عدالت میں آئے اور گواہی دے اور ممکن ہے کہ جس کے خلاف گواہی دے رہی ہو اس سے جان مال عزت وآبرو کا خطرہ ہو۔ اسلام نے اس کے لطیف روح کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سے اس قسم کی گواہی کو قبول نہیں کیا ہے۔ اور اگر بالفرض گواہی دیدے اور قاضی یا جج کے لئے جرم ثابت ہو جائے تو اس کی یہ گواہی قابل قبول ہے۔

دو عورتوں کی شرط اس لئے بھی رکھی گئی ہے کہ ممکن ہے گواہی کے جزئیات ایک عورت کے ذہن میں مکمل طور پر نہ ہوں یا بھول گئی ہو تو دوسری عورت کی مدد سے گواہی مکمل ہو جائے۔

آج وہ لوگ جو حقوق زن کے علمبردار ہیں وہ کتنا عورتوں کی گواہی کو اہمیت دیتے ہیں یا ان کے یہاں عورتوں کا کیا مرتبہ ہے۔ انھوں نے تو عورتوں کو گھر کی چہار دیواری سے نکال کر اپنی ہوا و ہوس کا شکار بنایا ہے اور جہاں جہاں لوگوں کو مجذوب کرنا ہوتا ہے وہ عورتوں کو بٹھاتے ہیں اور اسلام پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ عورتوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا!

(۵) ماں کی قضا نماز کیوں واجب نہیں ؟

یہ وہ اعتراض ہے کہ جو خود ہمارے یہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے ذہن میں آتا ہے اور علماء سے سوال کیا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ :

اولاً: ہمارے یہاں بہت سی روایات موجود ہیں جن میں عورت اور مرد کے درمیان فرق نہیں رکھا گیا۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں اگر کسی کی نماز قضا ہو گئی ہے اور وہ بغیر ادا کئے اس دنیا سے چلا جائے تو جو میت کے قریب ترین افراد ہیں وہ اس کی طرف سے قضا بجالائیں۔[۱]

ثانیاً: بہت سے مراجع کرام نے ماں کی قضا نماز بھی ادا کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ آیات عظام مرحوم اراکی، گلپایگانی، صافی، فاضل لنکرانی اور موجودہ مراجع کرام میں آقای مکارم شیرازی، مظاہری، رہبر معظم ان میں سے کسی نے مطلقاً اور کسی نے احتیاطا واجب کی شرط کے ساتھ واجب قرار دیا ہے۔ آقای وحید خراسانی اور آقای سیستانی نے واجب نہیں قرار دیا مگر کہتے ہیں کہ قضا پڑھنا یا پڑھوانا بہتر ہے۔[۲]

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۵، ص ۳۶۸؛ مستمسک العروۃ الوثقیٰ، ج ۷، ص ۱۲۷؛ بحار الانوار، ج ۸۸، ص ۳۱۳

۲۔ توضیح المسائل مراجع، مسئلہ ۱۳۹۰

(۶) کیوں لڑکیاں لڑکوں سے پہلے سن تکلیف تک پہنچ جاتی ہیں؟

یہ سوال بھی مذکورہ سوال کی طرح خود ہماری بہنیں پوچھتی ہیں کہ کیوں لڑکیاں، لڑکوں سے چھ سال پہلے احکام شرعی کو انجام دیں؟ کیا یہ لڑکیوں کے لئے مشقت اور لڑکوں کے لئے ایک امتیاز نہیں ہے؟

جواب:

امام سجادؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ "خدا کی سب سے بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ وہ ہم کو اپنا مخاطب بنالے"۔[۱]

سن تکلیف کو پہلے پہنچنا در حقیقت یہ مشقت نہیں بلکہ لڑکیوں کے لئے امتیاز ہے کہ خدا نے لڑکوں سے پہلے انھیں اپنے ذکر کے قابل سمجھا اور یہ ذکر کے قابل سمجھنا خود فکری بلوغ کی بھی علامت ہے۔ یعنی خداوند متعال نے لڑکوں سے پہلے لڑکیوں کو فکری اعتبار سے کامل سمجھا اسی لئے ان سے شرعی احکام و قوانین پر عمل کرنے کا تقاضہ پہلے کیا۔

دوسرے یہ کہ لڑکیوں کو ایک نسل کی مربی بننا ہے لہٰذا ان کی تربیت پہلے سے کی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ بعض حالتوں میں وہ عبادت سے محروم ہو جاتی ہیں اس لئے ان پر پہلے سے ذمہ داری عائد کر دی جاتی ہے کہ وہ کسی سے مجموعی عمل میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

اور دنیاوی اعتبار سے بھی آج محققین کا نظریہ بھی یہ ہے کہ لڑکیاں لڑکوں سے پہلے اپنی زندگی کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ مثلاً ایک ۱۶ سال کی لڑکی اپنے گھر کو چلا سکتی ہے مگر لڑکوں کے اندر بہت کم یہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔[۲]

(۷) کیوں عورت مرجع تقلید نہیں ہو سکتی؟

اولاً: مرجعیت کے مقام تک پہنچنے کی جو شرط ہے وہ فقاہت اور عدالت ہے اور اس شرط کے حصول میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عورت بھی فقیہ ہو سکتی ہے اور عادل ہو سکتی ہے لیکن مرجعیت ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اتنی بڑی کہ ہمارے بزرگ مراجع کرام اس ذمہ داری کو اٹھانے سے گریز کرتے تھے۔ لہٰذا اس کی سنگینی کے مد نظر اسلام نے عورتوں کو سبکدوش رکھا ہے۔ عورت ایک جنس لطیف کا نام ہے۔

۱۔ مفاتیح الجنان، مناجات ذاکرین

۲۔ حکمت روزہ، ص ۷۲؛ بحارالانوار، ج ۸۵، ص ۱۳۵؛ وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۱۴۸؛ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۴۸

امام علیؑ فرماتے ہیں: فَاِنَّ الْمَرأَۃَ رَیْحَانَۃٌ وَ لَیْسَتْ بِقَہرمَانۃٍ۔ عورت ایک پھول ہے کانٹا نہیں[۱]۔ امام علیؑ کے اس قول کے مطابق خداوند تعالیٰ نے اس کی فطرت کے اعتبار سے اسے اس ذمہ داری سے دور رکھا ہے۔

عورت کے لئے یہی فخر کیا کم ہے کہ وہ خود تو مرجع تقلید نہیں ہو سکتی مگر مرجع تقلید اس کی آغوش میں پرورش پاتا ہے۔ مراجع کرام کے زندگی نامے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں ماں کا کتنا اہم کردار رہا ہے۔

(۸) کیا عقل کے اعتبار سے عورت اور مرد میں فرق ہے؟

ایک اہم ترین اعتراض دشمنوں کی طرف سے اسلام پر یہ ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو ناقص العقل کہا ہے اور ان روایات کو پیش کیا جاتا ہے جو ہمارے ائمہ کی طرف سے نقل ہوئی ہیں۔

جواب:

اولاً: یہ مذمت جو روایات میں آئی ہے اس سے وجود خواتین پر کوئی حرف نہیں آتا ہے۔اس لئے کہ قرآن کے بیان کے مطابق عورت اور مرد دونوں وجود کامل ہیں۔

ثانیاً: اس قسم کی مذمت با تقویٰ خواتین کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ مردوں کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ بے تقویٰ عورتوں کے فریب میں نہ آئیں اور یہ حکم صرف عورتوں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ عورتوں کو بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ منافق، بے دین، بخیل اور جھوٹے مردوں کے دھوکے میں نہ آئیں۔

ثالثاً: شہید مطہری فرماتے ہیں کہ یہ جو عورتوں کو ناقص العقل کہا گیا ہے اس سے مراد کم عقلی نہیں ہے بلکہ جسمانی اعتبار سے مردوں سے کم طاقت رکھتی ہیں اس لئے ان کو ناقص کہا گیا ہے۔

رابعاً: اس قسم کی مذمت جو روایت میں موجود ہے وہ کسی خاص تناظر کے مد نظر ہے۔ مگر اسلام دشمن افراد سیاق و سباق کو چھوڑ کر بس اپنے مطلب کی بات لے لیتے ہیں اور اسے بڑا بنا کر پیش کرتے ہیں تاکہ اسلام پر حملہ کیا جاسکے۔

خامساً: مولائے کائنات سے اس روایت کے بارے میں جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نقص عقلی نہیں بلکہ عورتوں پر ہر مہینہ کچھ دن ایسے آتے ہیں کہ وہ عبادت سے معذور ہوتی ہیں لہٰذا انھیں ناقص کہا گیا ہے نہ کہ عقل کے اعتبار سے ناقص ہیں۔

۱۔ نہج البلاغہ، مکتوب ۳۱

سادساً: چونکہ یہ روایت خود امیر المؤمنین سے ہے لہٰذا آپ نے ہی اس کی توجیہ بھی فرمائی ہے، اگر چہ رسول خداؐ سے بھی اس طرح کی روایت نقل ہوئی ہے۔ امامؑ کا یہ خطبہ جنگ جمل کے بعد دئے گئے خطبوں میں سے ایک ہے اور آپ کا اشارہ ایک خاص موقعہ اور زمانے اور شخص کے لئے تھا۔[1]

آپ نے جو توجیہ فرمائی ہے وہ بھی اس خطبے میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا ناقص الایمان اس لحاظ سے ہیں کہ ان کے لئے کچھ خاص ایام آتے ہیں جس میں وہ نماز و روزہ سے معذور ہوتی ہیں۔ یعنی نقص عقل سے مراد نقص ایمان ہے۔

(۹) لڑکیوں کو شادی کے لئے سرپرست کی اجازت کیوں ضروری ہے؟

اسلام پر ہونے والے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کیوں لڑکی اپنی پسند سے شادی نہیں کر سکتی۔ کیوں باپ یا سرپرست کی اجازت ضروری ہے۔ کیا یہ صنف نازک کی توہین نہیں ہے؟

جواب:

اولاً: اس مسئلہ پر سارے مراجع کرام متفق نہیں ہیں بلکہ بعض فقہاء کچھ حالات میں اس اجازت کو ضروری نہیں جانتے۔

ثانیاً: یہ جبر نہیں ہے اور نہ ہی توہین ہے بلکہ یہ ایک مشورہ ہے کہ لڑکی اس عمر میں جذباتی ہوتی ہے اور باریک بینی سے مسائل کو نہیں سمجھ پاتی لہٰذا وہ لوگ جو اہل فکر و نظر ہیں (لڑکی کے سلسلے میں باپ دادا سے بہتر کون ہوگا) ان سے مشورہ کیا جائے۔ حالات اور تمام جوانب کو مد نظر رکھ کر لڑکی کے لئے بہترین رشتہ کو قبول کریں۔

ثالثاً: اسلامی قانون کے مطابق پسند لڑکی کی ہی ہوگی لہٰذا سیرت و تاریخ نیز روایات میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب لڑکی کا رشتہ آئے تو سرپرست بیٹی کی مرضی کو مد نظر رکھے نیز یہ کہ خود آخری مرحلہ میں یعنی نکاح کے وقت جیسے لڑکوں سے اجازت لی جاتی ہے وکالت کے لئے اسی طرح لڑکیوں سے بھی اذن و وکالت لازم ہے اور وہ بھی لڑکے سے پہلے۔

رابعاً: ہر باپ اپنی بیٹی کے لئے (جس کو اس نے محنت و مشقت لاڈ و پیار سے پالا ہے) بہتر سے بہتر رشتے کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ اس کی بیٹی دینی اور دنیاوی اعتبار سے خوشحال زندگی گزار سکے۔

۱۔ تذکرۃ الخواص، سبط ابن جوزی، ص ۷۹

خامساً: اکثر و بیشتر اخباروں اور ذاتی مشاہدات کے ذریعہ دیکھنے اور سننے کو ملتا ہے کہ جنھوں نے بغیر والدین کو درمیان میں رکھے ہوئے شادی کی ہے بہت جلد مشکلات سے دوچار ہوگئے ہیں اور بات طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔

شہید مطہری فرماتے ہیں کہ اذن پدر یا سرپرست لڑکیوں کی کم عقلی کی بنا پر نہیں ہے نہ ہی ان کی توہین مقصود ہے۔ اصل میں یہ مسئلہ نفسیات سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ مرد شہوت پرست ہے اور عورت اسیر محبت، لہٰذا صنف نازک مردوں کے ظاہری رکھ رکھاؤ سے جلدی متاثر ہو جاتی ہیں جبکہ بڑے بزرگ ظاہر کے ساتھ ساتھ دوسرے جوانب بھی نظر میں رکھتے ہیں۔[۱]

رسول خداؐ نے اسی نفسیاتی مسئلے کو ۱۴۰۰ سال پہلے بیان کیا ہے کہ مرد جب کسی عورت سے کہتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو یہ جملہ کبھی بھی عورت کے دل سے محو نہیں ہوتا۔[۲]

مرد حضرات عورتوں کے اسی نفسیات اور جذبات سے کھلواڑ کرتے ہیں چونکہ عورت جلدی یقین کر لیتی ہے لہٰذا وہ بہت جلد اس دام محبت میں پھنس جاتی ہے۔ اسلام نے اسی لئے نکاح و شادی جو پوری زندگی کا مسئلہ ہے اس میں بزرگوں کو مشورہ کے لئے شامل کیا ہے اور یہ لڑکی کی تحقیر نہیں بلکہ اس کی حمایت ہے، اس کی آئندہ آنے والی زندگی کی ضمانت ہے۔ البتہ اسلام نے لڑکیوں کو بالکل بے دست و پا بھی نہیں کیا ہے بلکہ ان کی رضایت کو بھی مد نظر رکھا ہے۔

جناب سیدہ کونین حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے لئے جب بھی رشتہ آیا ہے، رسول خداؐ نے آپ کی مرضی کو اہمیت دی ہے۔ اسلام نے مکمل اجازت دی ہے کہ لڑکے لڑکی ایک دوسرے کو سمجھیں، پہچانیں مگر یہ اجازت نہیں دی کہ آپ سڑکوں پر، پارکوں میں، فیسبوک اور واٹس اپ پر ایک دوسرے کو دیکھیں، سمجھیں اور کہہ دیں کہ ہم نے تو دیکھ لیا سمجھ لیا۔ یہ ایک خانوادہ کے مستقبل کا مسئلہ ہے، پوری ایک نسل کا مسئلہ ہے اس لئے اسلام نے اجازت دی کہ دینی، دنیاوی، جسمانی، فکری اعتبار سے ایک دوسرے کو دیکھیں سمجھیں تاکہ مستقبل میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

(۱۰) اسلام نے حق طلاق مردوں کو کیوں دیا؟

دشمنان اسلام کی طرف سے یہ اعتراض بھی بڑی شد و مد کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کو کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔ مرد جس طرح اسے چاہے استعمال کرے پھر چھوڑ دے یا پھر ہمیشہ اس کو اسیر بنائے رکھے اور وہ مرد کی تمام زیادتیوں کے باوجود مجبور و مقہور ہو کر زندگی گزارے۔

۱۔ نظام حقوق زن در اسلام، ص ۹۵-۹۶

۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۱۰

جواب:

اولاً: اسلامی تعلیمات میں اس قسم کا تصور ہے ہی نہیں جبکہ اس کے مقابلے میں آیات و روایات میں بے شمار مقامات پر حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر انداز سے زندگی گزارو اور اگر طلاق کی نوبت آجائے تو ان کا حق ادا کر کے انھیں الگ کر دو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو عورتوں کو حق ہے کہ وہ حاکم شرع سے رجوع کر کے خود طلاق کی درخواست کریں۔

اسلام نے جہاں جہاں بھی طلاق کی بات کہی ہے وہاں عورتوں کے حق کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ساتھ خوش اسلوبی کا بھی۔[1]

ثانیاً: کچھ شرطوں کے ساتھ مرد کو حق طلاق دیا گیا ہے اگر وہ ان شرائط پر عمل نہ کرے تو اسلام نے عورت کو حق دیا ہے کہ وہ مرد سے طلاق طلب کرے۔ یا یہ کہ خود عورت کو عقد کے وقت یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ شرط کر دے کہ اگر مرد حقوق کی ادائیگی نہ کر سکے یا عورت پر ظلم و زیادتی کرے تو عورت کو طلاق کا حق ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی ادارے کا سرپرست ہو جائے تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ جو چاہے وہ انجام دے بلکہ جن شرطوں کے ساتھ اسے سرپرست بنایا گیا ہے اگر ان شرائط کو مد نظر نہ رکھے تو اسے سرپرستی سے ہٹایا جا سکتا ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مردوں کو حق طلاق دیا گیا ہے عورتوں کو بھی حق طلاق حاصل ہے۔[2]

ثالثاً: ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ عورتوں میں مرد کے مقابلے صبر و تحمل کا مادہ کم پایا جاتا ہے۔ اگر یہ حق عورتوں کو دیا گیا تھا اور تھوڑا سا ماحول خراب ہوتا تو وہ فوراً طلاق کے لئے اقدام کر دیتی۔ جب کہ اسلام نے آخری حل طلاق کو قرار دیا ہے۔ مبغوض ترین حلال اسلام میں طلاق ہے۔

رابعاً: طلاق کے لئے شرط ہے کہ مرد پہلے عورت کے حقوق کو ادا کرے جیسے مہر لہٰذا مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں مرد، طلاق نہیں دے سکتا۔ اسلام نفسیات سے قریب ہو کر گفتگو کرتا ہے یعنی اسلام نہیں چاہتا کہ طلاق کی شرح زیادہ ہو اسی لئے طلاق کے لئے سنگین شرطیں رکھی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر مہر ادا نہیں کر سکتے تو طلاق بھی نہیں دے سکتے۔

۱۔ سورۂ بقرہ، آیات ۲۴۲-۲۲۶-۳۲، اور پورا سورۂ طلاق

۲۔ زن از دیدگاہ امام خمینیؒ، صحیفہ نور، ج ۵، ص ۱۵۲-۱۵۳

(۱۰) اسلام کی نگاہ میں عورت کا مرتبہ اور عظمت کیا ہے؟

دین مبین اسلام نے عورتوں کو جو مقام و منزلت عطا کی ہے کسی اور مذہب و مکتب نے نہیں دی۔ جو لوگ آزادی زن کے نعرے بلند کرتے ہیں وہ بھی عورتوں کو وہ حق نہیں دے سکے جو ان کا واقعی حق ہے بلکہ انھوں نے تو عورتوں کو سر بازار لاکر سوائے ان کے استحصال کے کچھ بھی نہیں کیا۔ جب کہ اسلام نے عورتوں کو وہ آزادی دی ہے جو ان کا حق تھا۔ عفت و حجاب و حیاء کے ساتھ ساتھ ہر میدان میں ان کو حاضر رہنے کی تائید کی ہے۔

رسول خداؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے جو عزت عورتوں کو دی ہے وہ دنیاوالوں کے تصور سے باہر تھی۔ جہاں عورتوں کو باعث ذلت سمجھا جارہا تھا وہاں بیٹیوں کی تعظیم و تکریم کر کے ان کو عزت و عظمت بخشی۔ اسلام نے انھیں حیاء، عفت، حجاب و عفاف کے دائرے میں رکھتے ہوئے آزادی دی اور ساتھ ساتھ امور خانہ داری کی بھی تاکید کی تاکہ خانوادہ بے راہ روی اور انتشار کا شکار نہ ہوسکے۔ عورتوں کو ان کے حقوق کے ساتھ ساتھ ان کو ان کے فرائض بھی یاد دلائے کہ ان کا اصلی فریضہ کیا ہے۔

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- نہج البلاغہ، ترجمہ مرحوم علامہ جوادیؒ
- نہج الفصاحۃ، سخنان گہر بار پیامبر اعظم، ترجمہ ابراہیم احمد آیان، کانون صبا، ۱۳۸۵
- تفسیر نور الثقلین، عبد علی مطبعۃ العلمیۃ، ۱۳۸۳ھ
- عدل الٰہی، شہید مطہری، انتشارات صدرا، ۱۳۹۹ھ
- اصول کافی، محمد یعقوب کلینی، دار التعارف للمطبوعات، ۱۴۱۱ھ
- بحار الانوار، علامہ مجلسی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ
- بصائر الدرجات، صفار قمی، شرکۃ الاعلمی، بیروت
- علل الشرائع، شیخ صدوق، مکتبہ الداوری، ۱۳۷۸
- عیون اخبار الرضا، شیخ صدوق، پیام علمدار، ۱۴۲۸ھ
- من لایحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ
- حکمت روزہ، عبد العزیز زادہ
- توضیح المسائل، مراجع بنی ہاشمی، خمینی، انتشارات اسلامی، جامعہ مدرسین، ۱۳۰۸
- مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی، ترجمہ ناظم علی خیر آبادی

- مستمسک عروۃ الاوثقی، محسن حکیم، مکتبہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی
- تذکرۃ الخواص، سبط ابن جوزی، چاپ جدید، ۲۰۱۲ عیسوی
- صحیح بخاری، ج ۱، ص ۶۸، بخاری دار التعلم، ۱۴۰۷ھ
- مقام زن در اسلام، استاد مرتضیٰ مطہری، انتشارات صدرا
- صحیفہ نور، روح اللہ الموسوی الخمینیؒ

حصہ نظم

لحظہ لحظہ ہے انتظار علیؑ

پروفیسر سیدہ بلقیس فاطمہ حسینی

لحظہ لحظہ ہے انتظار علی — اکھڑی سانسوں میں ہے دیدار علی
موت بھی رک گئی ہے سینہ میں — بستر مرگ ہے حصار علی
دم بخود موت کا فرشتہ ہے — چار سو ہے یہاں بہار علی
دم نکالے تو کس طرح — جان ہے زیر اقتدار علی
خیرہ آنکھوں میں روشنی دیکھی — تار ہے مثل ذوالفقار علی

فاطمہ، قلبِ پیمبرؐ

فرحت کاظمی

یوں فاطمہ ہیں قلبِ پیمبر کے آس پاس — جیسے ہو حمد، سورہ کوثر کے آس پاس
ھُم فاطمہ سے نور کا مرکز، عیاں ہوا — کعبہ، طواف کن تھا ترے گھر کے آس پاس
سورج نے آسمان میں چہرہ چھپا لیا — وہ نور تھا زمین پہ چادر کے آس پاس
حسنین ہیں نبی ہیں علی ہیں بتول ہیں — اب اور کون آئیگا چادر کے آس پاس
رد کردیے نبی نے یہ کہ کر سبھی پیام — آئینہ کون رکھتا ہے پتھر کے آس پاس
کوفہ ہو، کربلا ہو، مدینہ ہو طوس ہو — بس ایک نام ملتا ہے خنجر کے آس پاس
زہرا کا نام لے نہیں سکتے زبان سے — اندھیر ہے یہ قبر منوّر کے آس پاس
صدیاں ہوئیں چراغ بھی روشن نہیں ہوا — وہ گھر جو بیت نور تھا اس گھر کے آس پاس
نام علی و ناد علی کا حصار تھا — ہجرت کی شب، رسولؐ کے بستر کے آس پاس
ایماں ہو میرا بوذر و قنبر کے آس پاس — تب تو کہوں کہ میں بھی ہوں حیدرؑ کے آس
دل میں بتوں کا عشق، زباں پر خدا کا نام — ایسے بہت تھے بزمِ پیمبر کے آس پاس
کیسے عجیب لوگوں نے قبضہ جما لیا! — یا رب، رسولِ پاک کے منبر کے آس پاس
فرحت،لحد کے واسطے ہوجائے انتظام — کرب و بلا میں اور بہتّر کے آس پاس

در مدح امام حسنؑ

سید نقی عباس (کیفی گوپالپوری)

خوشبوے ہل اتی سے جہاں مشکبار ہے | گلزار فاطمہ میں نزول بہار ہے
فرط طرب سے آنکھیں ہوئی جا رہی ہیں نم | بیتاب دھڑکنوں پہ کسے اختیار ہے
آغوش فاطمہ میں ہے ماہ تمام عشق | کس کو ہلال عید کا اب انتظار ہے
صورت رسول جیسی، وجاہت علی سی ہے | آنکھوں پہ فاطمہ کی جھلک آشکار ہے
ناقہ بنا ہوا ہے نبی جس کے واسطے | ایسا سوار منتخب روزگار ہے
طاہر ہے، متقی ہے، سخی ہے، کریم ہے | اوصاف کبریا کا وہ آیینہ دار ہے
لوٹا نہ اُس کے در سے کبھی صاحب مراد | ایسا کریم، ایسا سخاوت شعار ہے
صلح حسن کو دیکھ کے انصاف کیجیے | کیا صرف تیغ فاتح ہر کارزار ہے
صفین میں، جمل میں جو تلوار سے بچا | ہنگام صلح، ضرب قلم کا شکار ہے
جس کو قلم نے خوار کیا، تا ابد وہ خوار | اور جس کو سربلند کیا، باوقار ہے
ہر معرکے میں تیغ علی لافتا ہے گر | ہر معرکے میں صلح حسن ذوالفقار ہے
صلح حسن ہے صلح جہانی کی آبرو | صلح حسن سے صلح جہاں پایدار ہے
گفتار میں رسول ہو، کردار میں علی | کیا بحر و بر میں ایسا کوئی شہریار ہے

یہ فیض جاریہ ہے در اہل بیت کا تنظیم کائنات اگر برقرار ہے
ان کی ولا ہے اجر رسالت بقول حق ان کی ولا پہ حشر کا دار و مدار ہے
ہے روز و شب دعا کہ زیارت نصیب ہو عمر چہار روز کا کیا اعتبار ہے

سلام بر امامؑ تشنہ کام

احمد شہریار

خواب میں چہرہ سرور کی زیارت کی ہے
میں نے اشعار لکھے ہیں کہ عبادت کی ہے؟

قاریوں پر ہے اسی حلق بریدہ کا کرم
جس نے نیزے پہ بھی قرآں کی تلاوت کی ہے

اس کو کہتے ہیں من الخلق الی اللہ کا سفر
جانب لشکر حق، حر نے جو ہجرت کی ہے

قہقہے کیوں نہ ہوں انگشت بدنداں کہ یہاں
ایک ننھے سے تبسم نے قیامت کی ہے

باب توبہ بھی کھلا ہے مگر اے توابین
بات کچھ اور ہی کربل میں شہادت کی ہے

علی اصغر ہو کہ قاسم ہو کہ اکبر کہ حبیب
مسئلہ عمر نہیں، بات شجاعت کی ہے

اب نہیں صبح اذاں، عصر شہادت بھی نہیں
اب تو بس شام ہے اور شام بھی وحشت کی ہے

جب سنی، جس سے سنی کرب و بلا کی روداد
ہم نے گریہ کیا اور آپ نے حیرت کی ہے

فراتِ عشق

مہدی باقر خان معراج

پہلے فراتِ عشق میں پیہم، ثنا کریں پھر اس کے بعد ہم تری مدح و ثنا کریں
کچھ اس طرح سے اجرِ رسالت ادا کریں دل سے عزائے سبطِ رسولِ خدا کریں
تیرے لہو سے خاک بھی خاکِ شفا ہوئی تیرے غموں سے درد سبھی ہم دوا کریں
فرشِ عزا پکارے ہے حیّ علی الفلاح یارو! نمازِ عشق نہ ہرگز، قضا کریں
اٹھیں حبیب وار تو پھر سر بکف رہیں اور خود کو وقفِ راہِ شہِ کربلا کریں
لعنت لکھی ہے ظلم کی قسمت میں تا ابد ہر دور کے یزید پہ بے چوں چرا کریں
فرعون اور یزیدِ زمانہ کے واسطے عزمِ حبیب و جذبۂ حر کو عصیٰ کریں
یارب! بحقّ صبر اسیرانِ کربلا خود کو انا کی قید ہم سب رہا کریں
کرب و بلا ہی ایسی کسوٹی ہے جس جگہ باطل کو حق سے خیر کو شر سے جدا کریں
گر ہو ہمارا خوں بھی شہیدوں کے خوں سا جاں ہم بھی اپنی راہِ خدا میں فدا کریں
اے صاحبانِ زندہ ضمیر و شعورِ غم! آؤ غمِ حسین سے دل، آشنا کریں
ایسے شہید، لشکرِ سرور میں ہیں فقط جو موت کو حیات، فنا کو بقا کریں
ہے صبر ہی شعار ہمارا خدا گواہ۔۔۔!!! کرنے دو اہل ظلم کو جتنی جفا کریں

پیغام ہے یہ سب کو شہنشاہ وفا کا غیرت کو تاج اور وفا کو قبا کریں

تاخیر اک ذرا بھی عزا میں نہ ہو کبھی بر وقت ہم نماز مودت ادا کریں

خوشنود فاطمہ ہوں تو راضی امام عصر کچھ اہتمام اس طرح اہل عزا کریں

حضرت حسینؑ

ابن تاج

ظلمتوں سے بر سر پیکار ہیں حضرت حسین — جیت حق کی باطلوں کی ہار ہیں حضرت حسین
کربلا میں آن بھر کی بیکسی اک اور بات — وقت کی تقویم میں سردار ہیں حضرت حسین
حشر تک کیوں کر رہے نہ دینِ حق یہ سر بلند — آپ اس دیں کے علم بردار ہیں حضرت حسین
ایک میرا دل ہی نوحہ خواں نہیں ہے آپ کا — دونوں عالم آپ کے غمخوار ہیں حضرت حسین
ساری ہی خلقت عزاداری میں تیری ہیں شریک — سب ہی تیرے غم میں زیر بار ہیں حضرت حسین
جس طرف جائیں صفِ باطل الٹ دیں آن میں — ان بہتّر کے سپہ سالار ہیں حضرت حسین
دشمنوں کے نرغے میں تنہا رہے سینہ سپر — وہ دلاور اور وہ جی دار ہیں حضرت حسین
شور و شرّ کفر اور الحاد میں مثل اذاں — بانگِ حق ہیں دین کی للکار ہیں حضرت حسین
جان دے دی بیعتِ ظلمت نہ کی ہر گز قبول — کیوں کہ ابن حیدر کرار ہیں حضرت حسین
جو فقط اہلِ شجاعت کی نظر میں ہی کھلے — سرّ وہ، وہ پردۂ اسرار ہیں حضرت حسین
تاج ان کو منبعِ رشد و ہدایت جانیئے — رہنما و منزل و ہنجار ہیں حضرت حسین

سلام امام حسینؑ

سید ذوالفقار باقر

شعور و فکرِ بشر کو جگا رہے ہیں حسین
تمیزِ کذب و صداقت بتا رہے ہیں حسین

جو حق سے وعدہ کیا تھا نبھا رہے ہیں حسین
وہ دیکھو صحرا میں بستی بسا رہے ہیں حسین

میں گھر سے نکلا ہوں اصلاحِ امت جد کو
یہ بار بار سبھی کو جتا رہے ہیں حسین

سبب مدینے کی حرمت کا ہے مدینے سے
دیارِ کرب و بلا میں جو جا رہے ہیں حسین

ہر اک نبی کو جہاں مشکلوں نے گھیرا تھا
اسی زمین کو جنت بنا رہے ہیں حسین

ہے کون ظلم کا بانی زمانہ دیکھ تو لے
نقاب چہرے سے اس کے ہٹا رہے ہیں حسین

وہ جس نے باگ پہ گھوڑے کی ہاتھ ڈالا تھا
اسے کلیجے سے اپنے لگا رہے ہیں حسین

جبیں پہ باندھ کے رومالِ فاطمہ زہرا
اب حر کو خلد کا افسر بنا رہے ہیں حسین

جسے بھی جانا ہو جائے مری اجازت ہے
چراغ خیمہ کا کہکر بجھا رہے ہیں حسین

خزاں نا آئے گی اس پر کسی زمانے میں
لہو سے گلشنِ دیں کو سجا رہے ہیں حسین

شہید ہوگئے انصار و اقرباء سارے
زمین پہ بیٹھ کے آنسو بہا رہے ہیں حسین

سسک کے رہ گئی کرب و بلا میں تنہائی
جوان بیٹے کا لاشہ اٹھا رہے ہیں حسین

جو ایک پھول تھا ننھا سا وہ بھی کملایا
اسے زمین کے اندر چھپا رہے ہیں حسین

ہیں چور زخموں سے وقتِ اخیر ہے لیکن
سر اپنا سجدہ حق میں جھکا رہے ہیں حسین

جنھیں گمان تھا ہم نے شہید کر ڈالا
انھیں کو نیزے سے قرآں سنا رہے ہیں حسین

بچھاؤ فرشِ عزا گھر کو مثلِ خلد کرو
وہ آرہا ہے محرم وہ آرہے ہیں حسین

اے کاش جون ہی باقر کو یہ خبر کردے
تجھے بھی اپنا سخنور بتا رہے ہیں حسین

حجاب

مولانا محمد رضا خان

اس لئے اللہ نے اسلام میں رکھا حجاب حور بن جائے پہن کر دختر حوا حجاب
اس لئے ہے دشمنوں کی آنکھ کا کانٹا حجاب کررہا ہے مغربی تہذیب کو رسوا حجاب
سامراجی طاقتوں کا خوف سے لرزہ حجاب دختر حوا نے جب ہوکے نڈر پہنا حجاب
اس لئے ہم کو نہیں قانون دنیا سے بحث ہے ہمارے دین کے قانون کا حصہ حجاب
کام کرنے کی اجازت دین نے دی ہے مگر گھر کے باہر تن پہ ہو خاتون کے پورا حجاب
ہوسکے ظاہر بدن کا کوئی حصہ کیا مجال یوں پہنتی ہیں کنیز فاطمہ زہرا حجاب
اپنی ماؤں اپنی بہنوں سے گزارش ہے یہی ٹھیک کرلیجئے خدا کے واسطہ اپنا حجاب
شکر کا سجدہ کریں وہ اپنے خالق کے حضور آج ہے محفوظ جن کی ماؤں بہنوں کا حجاب
تب ہوئی بے پردگی بے پردگی پر خندہ زن جب نئی تعلیم کے اندر نیا آیا حجاب
گھر میں چادر صاحب چادر کھڑے بازار میں ڈھونڈنے نکلے ہیں ایسے دور میں عقلا حجاب
سر سے غائب ہے دوپٹہ تن پہ نازیبا لباس اس زمانے کی ترقی نے ہے یوں چھینا حجاب
آدم و حوا کی بیٹی اور یہ بے پردگی رورہا ہے اپنی قسمت پر یہ بیچارہ حجاب
سر برہنہ دیکھتا ہے جب کسی خاتون کو تب پنہاتا ہے فرشتہ اس کو لعنت کا حجاب

ایک دن جانا ہے آخر مقنعہ و چادر کے ساتھ
اس لئے پہنو ابھی سے انسیت والا حجاب

بے حجابی نعمت رب کا کھلا انکار ہے
جس کو یہ احساس ہے وہ ہے ہمیشہ با حجاب

کربلا سے سیکھئے کچھ خواہر شبیر سے
جب نہ تھی چادر کیا بالوں سے چہرے کا حجاب

یہ ہماری بے حجابی کا نتیجہ ہے رضا
آج دنیائے سیاست میں جو ہے الجھا حجاب

خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران نئی دہلی کا مرکزی کتب خانہ

یہ کتب خانہ ہندوستان کے عظیم ترین کتب خانوں میں سے ایک ہے جو گذشتہ پچاس سال سے زائد عرصہ سے فارسی ادب، ایرانو لوجی اور مذہبی کتب کے حوالہ سے پورے ملک کے محققین و قارئین کی علمی سیرابی میں مصروف ہے-خانہ فرہنگ ایران، نئی دہلی، ایران و ہندوستان کی مشترکہ میراث اور زبان وادب فارسی کی قدردانی کرتے ہوئے ارباب رجوع کیلئے حسب صراحت ذیل علمی - تحقیقی خدمات فراہم کررہاہے:

- ✓ کتب خانہ کی فہرست کی آن لائن دستیابی
- ✓ تھیسیز کے انتخاب موضوع کے لئے علمی - تحقیقی تجاویز و پیشکش
- ✓ ایم. فل. ڈزرٹیشن اور پی ایچ ڈی تھیسیز لکھنے میں تعاون
- ✓ تھیسیز کی تحقیق اور تصحیح سے متعلق امور میں مدد
- ✓ فارسی ادب اور ایرانولوجی سے متعلق تحقیقات کیلئے ضروری منابع و مآخذ کی فراہمی
- ✓ فارسی ادب، ایرانولوجی اور اسلامیات سے متعلق موضوعات پر مشتمل کتابوں کی نشر واشاعت میں امداد

***

خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران نئی دہلی نے شعراء کے دیوان، نثری متون، عصر حاضر کے ہندوستانی، ایرانی، افغانی اور تاجیکی شعراء کے فارسی اشعار کا مجموعہ اس کے علاوہ راہ اسلام، قند پارسی، Cultural Dialogue اور Cultural Glimpses جیسے معتبر جریدوں کے مختلف شماروں کو ڈیجیٹل کتاب (Digital Book) کی شکل میں ایران کلچر ہاوس کی لائبریری اور نشریات کی ویب سائٹ پر اپلوڈ کردیا ہے-خواہشمند حضرات لائبریری، نشر و اشاعت اور دوسری سہولیات سے استفادہ کیلئے اوپر کے بارکوڈ (QR Code) کو اسکین کرسکتے ہیں یا مندرجہ ذیل ویب سائٹ کو دیکھیں:

www.ichdpublication.in www.ichdlib.in

Advisory Board

Prof. S.M. Azizuddin Husain, Prof. Akhtarul Wasey
Prof. Syed Ali Mohd Naqvi, Prof. S.Tayyab Raza Naqvi

Editorial Board

Prof. Syed Akhtar Mahdi Rizvi, Hasan Ali Zakaryaee,Mahdi Baqir Khan

Chief Editor

Dr. Faridoddin Faridasr

Editor

Prof. Syeda Bilqis Fatema Husaini

Joint Editor

Maulana Syed Ghulam Husain Rizvi & Dr. Khan Mohd Sadiq Jaunpuri

ISSN : 2349-0950

Printed at: Alpha Art, Noida, U.P.

RAH-E-ISLAM

An Urdu Quarterly Research Journal
of
Islamic and Cultural Studies

NO : 260

January-March 2023

Special Issue

Islam and women

Iran Culture House
18 Tilak Marg, New Delhi-110001
Phone No: 23383232, 33, 34 Fax: 23387547
Email: ichdelhi@gmail.com,
❖
https://en.icro.ir/New-Delhi
www.ichdpublication.in
www.ichdlib.in